سرگزشت

مسز ہور تست

خانم انگلیسی در بلوائے ہندوستان

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

سرگذشت

مسز ہورتست

خانم انگلیسی در بلوائے ہندوستان

دار الاشاعت پنجاب لاہور

(مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور)

عرضِ مترجم

عاصی کے قلم میں یہ طاقت کہاں کہ ایک مصیبت کی ماری فلک کی ستائی خاتون کے جذبات غم انگیز کی تصویر ان موثر الفاظ میں کھینچے جس کو اس کے درد بھرے دل نے اپنی زبان و قلم سے ادا کیا ہے اصل اور نقل میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو اس بیکس پر بیتی تھی میں اس کی بپتی اپنے الفاظ میں سُناتا ہوں لہذا جس قدر اثر کم ہو وہ ایک حد تک درست ہے یہ سرگذشت انگریزی سے فارسی جدید میں ترجمہ ہو کر مجھ تک پہنچی - کچھ ترجمے کی ضرورتوں کے اقتضا سے وہاں تصرف ہوا ہوگا اور کچھ تبدیل زبان کے لحاظ سے میرے قلم نے روا رکھا - سرگذشت وہی ہے - الفاظ کہیں سے کہیں پہنچ گئے ؂

اپنے ہم وطنوں کی دلچسپی بڑھانے کے خیال سے میں نے اس سرگذشت کو ہندوستانی رنگ میں رنگا ہے - یعنی ایک فرانسیسی لیڈی کے منہ میں ایک مہذب ہندوستانی بیگم کی زبان دیدی ہے جو اپنے ملکی محاورات میں داستان بیان کرتی چلی جاتی ہے اگر ایسا نہ کرتا تو رہا سہا اثر بھی رخصت ہوجاتا - برادرانِ وطن اور صاحبانِ قلم مجھے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گے ؂

احقر العباد

سید ظفر حسن - عاصی

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ؕ

مصیبت کی اِبتدا

دوستو میں کشتۂ نیرنگیٔ تقدیر ہوں
اِنقلابِ دَہر کی حسرت زدہ تصویر ہوں

۱۸۵۷ء کے آغاز تک خدا کے فضل و کرم سے ہم ہر حیثیت سے آسودہ و خوش حال تھے۔ مال کی کمی کی تو مجھے کسی وقت بھی شکایت نہ تھی البتہ سولہ سال تک بیٹا نہ ہونے کے غم نے گھلا دیا تھا۔ لیکن اس محبوب حقیقی کے قربان جایئے کہ اس نے مجھے اِس نعمت سے بھی محروم نہ رکھا اور ایسے وقت میں لڑکا دیا جبکہ کچھ روز بعد ہی میں اپنی دختر امین کی شادی سے فارغ ہونے کے بعد بالکل تنہا رہ جانے کو تھی ؂

اس زمانے میں میرے شوہر کا مصمّم ارادہ انگلستان جانے کا تھا صرف اِتنی دیر تھی کہ ہندوستان میں جو ہماری نیل کی کاشت تھی وہ یا

توفروخت ہوجاتی یا کوئی اس کا ٹھیکہ لے لیتا- اس کی بابت بہت دِنوں سے کلکتہ- مدراس اور بمبئی کے دلالوں سے خط وکتابت ہورہی تھی-مگر معاملہ طے نہ ہوتا تھا- آخر میں جو خطوط اِن لوگوں کے میرے شوہر کے پاس آئے اُن سے ظاہر ہوُا کہ چونکہ ہندوستان میں عنقریب کوئی فتنہ وفساد ہوُا چاہتا ہے اِس لئے وہ فی الحال اس معاملہ کے طے کرنے سے قاصر ہیں- بعض خطوط میں لکھا تھا کہ ہندوستانی فوجیں بنگالہ اور نیز ہندوستان کے تمام اطراف میں عنقریب شورش برپا کرنے والی ہیں اور اُن کی سرکشی اور بغاوت کا اصل سبب یہ ہے :-

گورمنٹ نے فوجی استعمال کے لئے جو کارتوس بھیجے ہیں وہ کسی قدر چربی آلودہ ہیں اس سے ہندو اور مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوُا ہے کہ یہ چربی سوٗر یا گائے کی ہے جس کے مذہبی خیال سے وہ دونو گروہ مخالف ہیں- ہندوٗوں کے نزدیک گائے واجب الاحترام ہے اور مسلمانوں کے نزدیک سوٗر نجس العین ہے -چونکہ ہندوستانی سپاہی اِن کارتوسوں کے استعمال پر مجبور کئے جارہے ہیں- اس لئے اُن کو بیحد ناگوار گذرتا ہے اور ہر دل میں مذہبی جوش پیدا ہوگیا ہے ؛

ہندوٗوں نے برہمنوں سے اور مسلمانوں نے علمائے دین سے اس کی نسبت فتوے طلب کیا- دونو جانب سے

اجتناب کا تاکیدی حکم ملا - چنانچہ ہندوستان کی تمام قوموں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ انگریز ہندو مسلمانوں کے مذاہب کی توہین کرنا چاہتے ہیں ٭

انہیں لوگوں کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رام پور کی پیدل فوج نمبر ۱۹ نے انگریزوں کی مخالفت میں علم بغاوت اُٹھایا ہے اور بنگال کے سپاہیوں نے بارک پور کے تار گھر کو آگ لگا دی ہے - دہلی کے مضافات میں ہر رات کو باغیوں کی جماعت انگریزوں کے گھر آ کر جلا دیتی ہے اور کھیتوں کو پامال کر کے محافظوں اور مالکوں کو قتل کر ڈالتی ہے

بہت سے ہندوستانی لوگ فقیروں اور سادھوؤں کے بھیس میں بغاوت کا جوش پھیلانے کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے ہیں اُن کے پاس کچھ کلیچے (چھوٹی روٹی) ہیں جن کو وُہ آپس میں تقسیم کرتے ہیں گویا یہ بغاوت اور شورش کی ایک مفروضہ علامت ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ مخفی طور پر ایک سپاہی کے ہاتھ سے دوسرے تک اور دُوسرے کے ہاتھ سے تیسرے تک پہنچ جائے اور کسی کو پتہ نہ چلے کہ دینے والا کون ہے اور کس وسیلے سے پہنچتی ہے - جب یہ کلیچہ دست بدست ایک سپاہی سے دوسرے سپاہی کو ملتا ہے تو اس پر نظر کرنے سے ہر سپاہی کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے اور غیظ و غضب کے آثار بشرے سے ہویدا ہونے لگتے ہیں اگرچہ وُہ زبان سے کچھ نہیں کہتے - لیکن دل ہی دل میں انگریزوں پر پیچ و تاب کھاتے ہیں + اب تک ہم کو یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ کلیچے کس

قسم کے تھے اور ان کے متعلق کیا بات قرار دی گئی تھی ؛

غرض کہ اِس قسم کی وحشت خیز خبریں ہم کو رات دِن پہنچتی رہتی تھیں اور ہیں خدا سے دُعا کرتی تھی کہ ہم جلد سے جلد ہندوستان سے روانہ ہو جائیں - اکثر ہماری باہمی صحبت میں بھی اِس شورش وفساد کا تذکرہ آتا تھا - مگر انگریزی سلطنت کے استحکام اور ہندوستانیوں کی پست ہمتی کا اعتقاد رکھتے ہوئے ہم دلالوں کی تحریروں کا مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ یہ محض لغو اور بے بنیاد باتیں ہیں - بلکہ دلالوں کی چال ہے کہ ہم مضطرو پریشان ہو کر اپنی زمینوں اور کاشت کو آدھی قیمت میں دے کر اِنگلستان بھاگ جائیں ؛

میری دختر ایلین ایک فوجی سردار مسمی بہ ولیم ہو وسے نامزد ہوئی تھی - ولیم اکثر ہماری صحبتوں میں شریک ہوتا اور ہمارے خیال کی تصدیق کرتا کہ دلالوں نے ضرور ہمیں چکمہ دیا ہے ؛

ہمارا مکان شہر سے کچھ فاصلے پر تھا - ولیم کا قاعدہ تھا کہ ہر روز رات کو دہلی سے ہمارے گھر آتا اور اِس فتنہ وفساد کی بابت ہر طرح سے ہمارا اطمینان کر جاتا - جب اُس کے سامنے کوئی ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کا قصّہ چھیڑتا تو وُہ ہندوستانی سپاہیوں کی بُزدلی کا خوب مذاق اُڑایا کرتا - ایک دن میں نے کہا :-

میں ۔ ولیم - تمہارے دل پر ہندوستانیوں کی شورش کا اثر مطلق نہیں ہے ؟
ولیم - "ہاہا - ہندوستانی بچارے کیا سرکشی کریں گے ؟

میں۔ آخر کیا سبب؟ تم انہیں اس قدر کیوں ذلیل سمجھتے ہو؟

ولیم۔ اماں جان۔ آپ کیا جانیں۔ میں ان کی بہادری سے خوب واقف ہوں۔ خدا کی قسم ہمارے چار گورے ان کے چار رسالوں کے واسطے ایسے ہیں جیسے بکریوں کے بڑے گلے کے لئے ایک چرواہا۔ اگر ذرا بھی ہمارے حکم سے منہ پھیریں تو مار بندوقوں کے ہوش بھلا دئے جائیں۔

ولیم کی ان باتوں سے ہمارے دل کی بڑی ڈھارس ہو جاتی تھی میرا دل اس کی تسلی آمیز باتوں میں بہت لگتا جس رات وہ قلعہ پر متعین ہونے کی وجہ سے ہمارے گھر نہ آتا۔ میں وحشت و خوف کی ماری سارے گھر میں دیوانوں کی طرح ننگے پاؤں پھرتی۔ چونکہ میرے دل پر رات دن وہی چرچی چلتی تھی۔ وہی خیالات دل میں بسے رہتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ قوت متخیلہ ایک بھیانک منظر میری آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی اور مجھے ایسا نظر آتا کہ ہندوستانی فوجیں ہمارے قتل و غارت کے لئے سامنے سے چلی آتی ہیں راتوں کو وہ وحشت خیز اور ہولناک خواب نظر آتے کہ خدا کی پناہ اور بیدار ہونے پر گھنٹوں میرا دل دھڑکتا رہتا ایک روز مجبوراً میں نے اپنے شوہر سے کہا:۔

میں۔ کیوں جی! انہیں کچھ ہمارے حال کی بھی خبر ہے؟

شوہر۔ کیوں خیر ہے نصیب اعداجی کیسا ہے؟

میں۔ سن رہے ہو کہ ہندوستان میں ایک عظیم الشان بغاوت ہونے والی ہے اور جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو۔

شوہر۔ پھر آپ کو اس کا کیا غم وہی مثل ہے قاضی جی۔ قاضی جی۔ تم کیوں دُبلے۔ کہا شہر کا اندیشہ ؛

میں۔ کیا خوب۔ جب ملک بھر میں ایک قیامت نازل ہو گی تو بچ جاؤں گی ؟ تمہاری جان کی قسم۔ میری تو نیند اِس فکر میں اُڑ گئی ہے۔ ہر وقت یہی دھڑکا رہتا ہے کہ دیکھئے اُونٹ کس کل بیٹھے۔ خدا کے واسطے جس طرح بنے اپنی املاک بیچو اور مجھے یہاں سے لے کر چل کھڑے ہو۔ جب میری جان کو سُکھ اور دل کو اطمینان ہی نہیں تو میں اِس دولت کو لے کر کیا چاٹوں گی ؟ نہ معلوم تم کو کس بلا کی مامتا نے گھیرا ہے کہ مال کی طمع میں کسی کی پریشانی کا خیال ہی نہیں اب سے دُور مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ انگریزوں کے اقبال کا ستارہ گردش میں آگیا ہے اور اب ان کی حکومت کا قائم رہنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پاؤں پر سر رکھتی ہوں آدھی چوتھائی قیمت جو بھی ملے۔ اسی پر صبر کرو۔ یا ان سب چیزوں پر خاک ڈال کے یونہی چل کھڑے ہو۔ ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ میرے اللہ کون سی گھڑی ہو گی کہ میں جہاز میں بیٹھی انگلستان کو جا رہی ہوں گی ؛

شوہر۔ (قہقہہ لگا کر) واہ صاحب واہ۔ تم نے تو افیونیوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ ماشاء اللہ۔

آج کل تو آپ کی فکر رسا اور ذہن برّاق دُور دُور کے پتّے

لا رہا ہے - چہ خوش - آب ندیدہ و موزہ کشیدہ - بہ پیش از مرگ واویلا خوب رہا ؀

بیبی - تم تو ہر بات کا مذاق اڑاتے ہو - اپنی عقل کے سامنے کسی کی چلنے نہیں دیتے - میں کہتی ہوں - خدا کے واسطے ذرا سمجھ سے کام لو وہ انسان ہی کیا جو اپنے انجام پر نظر نہ کرے - فرض کرو - اگر میرا گمان صحیح ہوا اور شورش برپا ہو گئی تو اس وقت کیا کرو گے ؟ موقع چوکنے پر اگر بچائیے بھی تو کیا فائدہ ؟

شوہر - سنئے جناب - میں تو اس وقت تک ہندوستان ہرگز نہ چھوڑونگا جب تک اپنی محنت کا پھل نہ کھا لوں - کیا خوب - آپ کے وہم وگمان پر ہزاروں کا مال کوڑیوں میں لٹا دوں ؀

اس میں شک نہیں کہ اس سال ہماری نیل کی پیداوار ایسی اچھی تھی کہ تمام الہ آباد بلکہ حوالی کلکتہ میں بھی یہ بات کسی کو حاصل نہ تھی - ہر سال ہمارے یہاں کم از کم پانسو من نیل ہوتا تھا - جس کی معمولی قیمت ۲۵ - ۳۰ ہزار روپیہ تھی - لیکن اس سال کی پیداوار اس سے کہیں زاید تھی ؀

میرے شوہر اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر ہم تین سال اور ہندوستان میں رہ گئے تو لاکھوں روپے کی مقدرت ہو جائے گی چونکہ ابھی لڑکی کی شادی بھی کرنی ہے - اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان میں اتنے دنوں اور قیام کریں کہ تیس چالیس ہزار روپیہ اس کے جہیز

کے لئے فراہم ہو جائے ؛

میں اپنے شوہر کو طرح طرح سے سمجھاتی تھی کہ دیکھو اس خیال کو چھوڑو جو کچھ قسمت کا تھا حاصل ہو گیا - ایسا نہ ہو زیادہ لالچ میں پچھلا جوڑا جنگوڑا بھی نکل جائے اور جانیں خطرے میں پڑیں - وہ علاوہ ہندوستانی عنقریب ضرور کوئی فتنہ برپا کریں گے اور ہمارے اطراف وجوانب میں سب ہندوستانی ہی ہندوستانی ہیں - جن کو ہمارے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں - اگر خدانخواستہ معاملہ بگڑ گیا تو سب سے پہلے یہ لوگ ہماری ہی خبر لیں گے - دیکھو - ابھی کچھ نہیں گیا - کیوں اپنے ہاتھ پیر میں کلہاڑی مارتے ہو ؛

اس قسم کی باتیں میں اکثر اوقات کیا کرتی مگر وہ ایسے چکنا گھڑا بن گئے تھے کہ اثر ہی نہ ہوتا تھا اس کان سنتے اور اس کان اڑا دیتے باوجودیکہ ہم اطراف وجوانب کی رعایا کے ساتھ بہت خلق و مدارات سے پیش آتے تھے - ایک ایک روپیہ روز اُجرت کا دیتے تھے مگر اس پر بھی اُن کی تیوری کا بل نہ نکلتا تھا - ان کی ہر ادا بتاتی تھی کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں ؛

اسی درمیان میں کلکتہ کا ایک دلال میرے شوہر کے پاس آیا اور ایک بہت بڑی رقم ہماری کاشت کی بابت پیش کی لیکن میرے شوہر کا دماغ فلک الافلاک پر تھا - اُنھوں نے منظور نہ کیا اور دلال کو بے نیل ومرام واپس جانا پڑا ؛

اب کہ میں بدنصیب طرح طرح کی سختیوں میں گرفتار اور بدبختی کا شکار ہوں نہ شوہر ہے نہ فرزند - نہ مونس ہے نہ غمگسار - ہاتھ مال سے خالی اور زمانہ برسر جفاکاری - اس قابل کہاں کہ کوئی میری بات دھر کر سُنے - لیکن افسوس جب کسی قابل تھی - اس وقت بھی تیرہ روزی نے میری بات شوہر کے کان کو نہ لگنے دی - خدا کے بندے سے بہتیرا کہا - دیکھ موقعہ ہاتھ سے جاتا ہے چلنا ہے تو جلد انگلستان کو چل مگر اس نے ایک نہ سُنی ؂

سادھو کی پیشین گوئی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

ٹھیک اسی روز جبکہ دلال ہماری کاشت کا معاملہ کرنے آیا تھا - میں اور میرا شوہر - ایلن - ولیم اور وِل (میرا تین سال کا لڑکا) شام کے وقت دریائے جمنا کے کنارے اپنے کھیتوں کے قریب ٹہل رہے تھے اور یہ ذکر کرتے جاتے تھے کہ انگلستان کا ایک بڑا پادری چاہتا ہے کہ ہندوستانیوں کو دینِ مسیحی میں داخل کرلے - جو لوگ خوشی سے اس کا دین قبول نہیں کرتے - ان سے سختی کے ساتھ پیش آتا ہے اور عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے - ہم

چاروں میں سے ہر شخص اپنا اپنا خیال اس کی بابت ظاہر کر رہا تھا۔ میں نے چار آدمی اِس لئے کہے کہ میرا سہ سال کا بچّہ اس گفتگو میں شامل نہ تھا۔ اس غریب کو اتنی سمجھ کہاں کہ اِن باتوں کو سمجھ سکے۔ وُہ تو بمقتضائے عُمر کھیل کود میں ہی مصروف تھا۔ کبھی دو چار قدم آگے دوڑ جاتا تھا کبھی پھر آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ غرض کہ اسی صورت سے ہم اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک طرف جنگل کی وجہ سے اور دوسری سمت جمنا کے باعث راستہ تنگ ہو گیا تھا اور ایک خم کھا کر آگے کو جاتا تھا۔ موڑ کے قریب پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ ایک سادھو لنگوٹی باندھے راستے کے درمیان اس طرح پڑا ہوا ہے کہ آنے جانے والوں کی راہ بند ہے۔ ولی جو ہمارے آگے آگے دوڑتا جاتا تھا۔ وہ اس عجیب الہیئت مخلوق کو راہ میں پڑا ہوا دیکھ کر خوف سے چیخنے لگا اور جلدی سے آ کر مجھے لپٹ گیا۔ ولیم جو اِلین کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہم سے چند قدم آگے جا رہا تھا۔ ولی کی اِس وحشت کو دیکھ کر گھبرایا اور اس سادھو کے قریب جا کر نہایت سخت لہجہ میں بولا "کھڑا ہو۔ راستہ چھوڑ" سادھو نے اِن الفاظ پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اور جس طرح پڑا تھا پڑا رہا۔ ولیم کو اس کی بے اعتنائی سخت ناگوار ہوئی مُڑ کر ان چاروں گوروں کو جو اس کے ساتھ رہا کرتے تھے حکم دیا کہ اس کُتّے کو زمین سے اُٹھا کر دریا میں ڈال دو۔ وہاں کیا دیر تھی۔ افسر کا حکم سنتے ہی چاروں گورے سادھو پر ٹوٹ پڑے اور ہاتھ پاؤں پکڑ کر اسے زمین سے اُٹھا لیا۔ چاہتے تھے کہ پانی میں پھینک دیں کہ میں جلدی سے آگے بڑھی اور انکو

روکا۔ سادھو پھر زمین پر مردوں کی طرح لیٹ گیا۔ میں نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر ویل کے ہاتھ میں دیا اور کہا "بیٹا یہ اس فقیر کو دیدو تاکہ وُہ خوش ہو کر اپنے گھر چلا جائے" ویل مجھ سے روپیہ لے کر بلا کسی خوف وخطر کے سادھو کے پاس گیا اور روپیہ اس کے مُنہ پر رکھ کر چلا آیا۔ سادھو نے روپیہ اُٹھا لیا اور راستہ چھوڑ کر آہستہ آہستہ دریا کی طرف چلا گیا۔

ایلین اور ولیم جب اس کی طرف سے گذرے تو ایک غضب آلود نگاہ ان پر ڈال کر کہنے لگا:۔

"خدا بہت جلد ہندوستان کے راستوں کو تمہارے وجود سے پاک کریگا"۔

جب میرا شوہر ادھر سے گذرا تو پھر اُس نے کہا:۔

"عنقریب خدا پرستوں کا گروہ فاجر کفار پر غالب آئے گا"۔

جب میں اور ویل اس طرف سے گذرے تو اس نے ویل سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"بچہ تو نے صدقہ بہت دیر سے دیا اِس سے تیری بلا رد نہ ہوگی"

فقیر کے اِن الفاظ نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ جب ہم لوگ مکان پر واپس آگئے۔ تو میں نے داماد اور شوہر کے سامنے درویش کے الفاظ کو دُہرایا۔ ولیم چونکہ ایک بدعقیدہ نوجوان تھا۔ میری اِن باتوں پر ہنسا اور بہت سے قصے ہندوستانی فقیروں کی لغو گوئی اور ہرزہ سرائی کے بیان کرنے لگا۔ میں بظاہر تو اس کی ہاں میں ہاں ملا کر مسکراتی تھی۔ مگر دل کا

خدا ہی حافظ تھا نہ معلوم کیا وسوسے دل میں آرہے تھے۔ ولیم نے میری پریشان حالی کو محسوس کرکے بہت چاہا کہ اپنی خوش کُن باتوں سے میرے خیال کو دُور کرے۔ مگر میری پریشانیاں کسی طرح کم نہ ہوتی تھیں ؂

اتفاق کی بات اسی روز میرے شوہر اپنے ایک دوست کے یہاں چھاؤنی میں دعوت کھانے کے لیئے گیئے اور تقریباً دو بجے تک نہ لوٹے اس کی تاخیر سے جس قدر مجھ کو وحشت ہوئی۔ میں ہی جانتی ہوں۔ مثل مشہور ہے "دیوانہ را ہوئے بس است" ایک تو سادھو کی باتوں سے ڈری ہوئی تھی۔ اب جو خلاف معمول یہ واقعہ پیش آیا اور بھی رہے سہے حواس گم ہوگئے۔ کلیجہ خوف سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ دیوانوں کی مانند سارے گھر میں ننگے چلتی پھرتی تھی۔ نیند کہاں اور آرام کیسا۔ سب اپنے اپنے بستروں پر پڑے آرام سے سوتے تھے اور میں اس ڈراؤنی اور بھیانک رات میں کبھی گھر کے اندر تھی اور کبھی صحن میں۔ ذرا کہیں پتّا کھڑکتا تو کلیجہ دھک سے رہ جاتا۔ کبھی شوہر کی آمد کا خیال ذرا دل کڑا کرتا۔ کبھی باغیوں کی آمد کا خوف لرزا دیتا۔ اس رات میں نے کئی بار آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر خدا سے دعا مانگی اور کہا :۔

"اے بیکسوں کی آس۔ اے ناچیز ہستیوں کے سہارے تیرا دست قدرت سب سے بالا تر اور تیری طاقت سب سے فزوں تر ہے تو بے ٹھکانوں کا ٹھکانا۔ تو بے یاروں کا مونس و یگانہ ہے۔ شہر ہو یا صحرا۔ خشکی ہو یا تری،

سفر ہو یا حضر۔ تو اپنے بندوں کا ہر مقام پر محافظ ہے تو ہی
اس غریب الوطنی میں دشمنوں کی شر سے ہمکو بچانے والا ہے"۔

میری وحشت اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کہ لوگوں نے ہم سے بیان کیا تھا کہ ہندوستانیوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو عقائد مذہبی کی رو سے کسی شخص کو ریشم کے پھندے سے پھانسی دینا گناہ نہیں سمجھتا۔ مجھے رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ وہ ستم پیشہ لوگ میرے شوہر کو راہ میں مل جائیں اور رات میں تنہا پاکر اس کا گلا گھونٹ دیں۔ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے چار خدمتگار گوروں کو مسلح کر کے اس کی تلاش میں بھیجوں کہ یکایک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کان میں آئی۔ اولاً تو میں جھجکی۔ پھر دل مضبوط کر کے باہر آئی۔ دیکھا کہ میرا شوہر دس ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جن میں ایک رسالہ دار بھی ہے چلا آرہا ہے۔

شوہر گھوڑے سے اتر کر ہال میں آئے۔ میں بے تابانہ دوڑی اور گلے میں باہیں ڈال کر گریۂ گلوگیر کے ساتھ کہنے لگی:۔

میں "خیر تو ہے۔ آج اتنی رات گئے تک کہاں رہے۔ جوں جوں رات زیادہ گذرتی جاتی تھی۔ میرے اوسان خطا ہوئے جاتے تھے بتاؤ تو اتنی دیر کیوں لگائی؟"

شوہر (مسکرا کر) پریشان نہ ہو۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ دعوت میں اور بہت سے لوگ موجود تھے۔ ہنسی مذاق میں اتنی رات آگئی"۔

میں "واہ بھلا۔ آپ کا ہنسی مذاق ہوا۔ یہاں جان پر بن گئی۔ یہ بھی تو

خیال نہ آیا کہ اس وحشت زدہ کی اکیلے گھر میں کیا حالت ہوگی"۔
شوہر "کیوں اکیلا گھر کاہے کو تھا۔ لڑکی موجود۔ لڑکا موجود۔ پہرے والے موجود۔ نوکر چاکر موجود۔ میرے خیال میں تمہیں کچھ مالیخولیا ہو گیا ہے"
میں "مالیخولیا ہوگا میرے دشمنوں کو۔ تمہیں کب کسی کی حالت کا یقین آتا ہے"۔

ہماری اس گفتگو میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ جو سوار میرے شوہر کے ساتھ آئے تھے۔ زیادہ وقت گذرتا دیکھ کر بغیر کسی انعام کے واپس چلے گئے۔ ایک گھڑی بھر کے بعد جبکہ میرے اوسان ٹھکانے ہوئے اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو اُن لوگوں کا خیال آیا۔ خانساماں کو بُلا کر حکم دیا کہ کچھ روپیہ اِن سواروں کو بطور انعام دیا جائے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ تو چلے بھی گئے۔ لوٹتے وقت اپنے سردار سے کہتے جاتے تھے:-

"دیکھا اِن انگریزوں کی حالت کو۔ یہ کسی وقت ہماری خدمات کے ممنون نہیں ہوتے۔ اس وقت صاحب کی بے اعتنائی اور کسی قسم کا احسان نہ کرنے نے ہمارے ان صدمات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ جو ایک مدت دراز سے ہم کو اِن لوگوں سے پہنچ رہے ہیں۔ خیر۔ خدا اس کا بدلہ دینے والا ہے"۔

مجھے یہ سُن کر سخت افسوس ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

اگرچہ ہندوستان کے تمام اطراف سے بدامنی و شورش کی خبریں آ رہی تھیں۔ لیکن دہلی اور نواح دہلی میں اب تک امن تھا۔ کھیتی باڑی کا کام تمام معمول کے موافق نہایت عمدہ طریقے سے ہو رہا تھا۔ دہلی۔ آگرہ۔ الہ آباد اور تمام ان شہروں میں جو ہندوستان کی کسی بڑی شاہراہ کے کنارے آباد تھے۔ شورش کا کوئی اثر نہ تھا البتہ ان ہندوؤں یا مسلمانوں کے چہروں سے جو ہمارے رنج کے ملازم یا کاشت کے خدمتگذار تھے۔ ناخوشی کے آثار اور تمردی و سرکشی کے خیالات ظاہر ہوتے تھے۔ یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے ایسے دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اِس قدر نالاں تھے کہ مار سیاہ کی طرح بل کھاتے تھے اور ان کی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی

ہندوستانی سپاہیوں کو جب شام کے وقت خانگی کام کاج کے لئے چھٹی ملتی تو وہ شہر سے باہر نکل کر جنگل میں گھومتے اور انگریزوں کے گھروں اور کھیتوں کا تجسس کرنے نکلتے۔ اِسی عرصہ میں ہم کو خبر ملی کہ لکھنؤ میں غدر ہو گیا اور اودھ کے باغیوں نے بغیر کسی خوف و ہراس کے انگریزوں کو پھانسی دینا اور قتل کرنا شروع کر دیا وُہ ستم پیشہ گروہ انگریزوں کے بچّوں کو چرا کر لے جاتا ہے اور مختلف قسم کے صدمات پہنچا کر تلف کر دیتا ہے۔ اطراف جے پور میں بغاوت پیشہ لوگ کئی شریف النسل بچوں کو اُٹھا کر لے بھاگے۔ اور انہیں اپنی مورتیوں کے بھینٹ چڑھا دیا ؎

یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو اپنے مندروں میں یہ دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانیہ کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو۔ ہندوستان کے تمام ہندو مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں سو سال سے زیادہ نہ رہے گی۔ پس چونکہ ابتدا اس کی ۱۷۵۷ء میں ہوئی تھی اب ۱۸۵۷ء میں ایک صدی بعد اس کا استیصال ہو جانا چاہیئے اور دہلی کی سلاطین قدیم کی اولاد میں سے کسی کو سلطنت کا مالک بننا چاہیئے باوجود اس قسم کی فساد انگیز باتوں کے پھر بھی دہلی اور نواح دہلی میں اطمینان تھا۔ تا ایں کہ اپریل کا مہینہ سلامتی اور خوشی سے ختم ہوا۔

رنگ میں بھنگ

جام و ساقی تھا صراحی تھی سبو تھا۔ ہم تھے
ہو برا آ کے رقیبوں نے خلل ڈال دیا

فی الجملہ امن و اطمینان کو غنیمت جان کر ہم نے ایلن اور ولیم کی شادی کا سامان کرنا شروع کر دیا۔ گیارھویں ماہ مئی کو جشنِ شادی قرار دے کر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے درخواست کی کہ وہ ہماری کشت زار میں تشریف لا کر شریکِ مسرت و شادمانی ہوں۔ میرے دل میں اپنی پیاری بیٹی کی شادی کی بڑی تمنا تھی۔

نہ معلوم کیا کیا ارمان دل میں بھرے ہوئے تھے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ سب دل کے دل ہی میں رہ گئے

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

مہمان وقت معینہ پر تشریف لے آئے۔ دسترخوان بچھایا گیا اور میزوں پر ہر قسم کے کھانے چنے گئے۔ بزمِ نشاط آراستہ ہوئی اور ہم سب مہمانوں کو لئے ہوئے کھانے کے کمرے میں پہنچے! ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ سیلی نام ایک رسالہ دار نے جس کا نائب میرا داماد ولیم تھا نہایت بے چینی کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھولا اور مضطربانہ داخل ہو کر سیدھا ولیم کے پاس پہنچا اور دیر تک اس کے کان میں باتیں کرتا رہا۔ گو اس کی گفتگو مطلق سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن اس کی یہ جسارت کہ بے اذن اطلاع کھانے کے کمرے میں درّانا چلا آنا۔ پھر لباس کا نامرتب اور بے قرینہ ہونا۔ چہرے پر ہوائیوں کا اڑنا اس کی وحشت و اضطراب کے گواہ تھے۔ بات کرتے وقت اس کی آواز کے لرزنے دیر تک چپکے چپکے باتیں کرنے اور ہاتھ کے بار بار اِدھر اُدھر ہلانے نے ہم کو ایسا وحشت میں ڈالا کہ کھانا پینا سب بھول گئے اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ آخر کار جب ضبط نہ ہو سکا تو ہم سب اپنی جگہ سے اُٹھے اور سیلی اور ولیم کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ولیم نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہ کی اور بدستور سیلی کی باتیں سنتا رہا۔ جب گفتگو ختم ہوئی اور سیلی کمرے سے باہر جانے لگا تو آواز بلند

ولیم نے کہا :-

"میرے رسالے کو اطلاع دیدینا کہ مسلّح ہو کر تیار رہے میں ابھی آکر کوچ کا حکم دیتا ہوں" ؂

میں نے اور تمام حاضرین نے ہر چند منت و سماجت سے ولیم سے پوچھا "کہ کیا واقعہ ہے ؟ سیلی نے تم سے کیا کہا ؟ کہاں فوج لیکر جانا چاہتے ہو ؟ لیکن اس نے ہمارے کسی سوال کا جواب نہ دیا اور دیر تک اپنی کرسی پر تصویر کی طرح بے حس وحرکت کسی خیال میں محو بیٹھا رہا۔ جب ہمارا اصرار حد سے بڑھا تو صرف اتنا کہا :-

ولیم - جنرل کرو نے میرے پاس حکم بھیجا ہے کہ بہت جلد میرے پاس آؤ ؂

میں - آخر کچھ یہ معلوم ہوا کہ کیوں بلایا ہے ؟

ولیم - اس کی بابت سیلی نے مجھ سے کچھ بیان نہیں کیا ؂

ولیم یہ کہہ رہا تھا مگر اس کے چہرے کے اضطراب سے یہ پتہ چلتا تھا کہ اپنا راز ہم سے چھپا رہا ہے - ایلین میری لڑکی جو ولیم سے نامزد تھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے بار بار عاجزی سے دریافت کر رہی تھی مگر وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا - اتنے میں ایک ملازم نے کمرے میں آکر ولیم کو اطلاع دی کہ سواری کا گھوڑا حاضر ہے یہ سنتے ہی وہ ایلین کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر کھڑا ہو گیا اور بغیر خدا حافظ کہے کمرے نکل گیا - گھوڑا تیار تو تھا ہی - جلدی سے بیٹھ یہ جا وہ جا ؂

روانگی میں ولیم کا اِس قدر جلدی کرنا محض ایک دھوکا تھا۔ جس سے مقصود یہ تھا کہ ہم عورتوں سے جو بار بار کشف اصرار کے لئے مصر تھیں۔ نجات مل جائے۔ اُس نے تھوڑی دُور ہمارے سامنے والے کھیتوں کی راہ طے کی۔ جب ہم سے آڑ ہو گئی تو باغ کی جانب کو باگ موڑی اور ہمارے بنگلے کے پیچھے پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اسے ایک درخت سے باندھ کر خود ایک پوشیدہ مقام پر کھڑا ہو گیا۔ دربان کو اشارے سے بُلا کر کہا کہ اپنے صاحب (میرا شوہر) کو چپکے سے جا کر یہاں بھیجدو ؁

سچ تو یہ ہے کہ ولیم کے اِس بے کہے سُنے چلے جانے نے مجھے بے حد رنج دیا۔ بار بار اُس کی بے اعتنائی کا خیال آتا تھا لیکن چونکہ مہمان گھر میں موجود تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھانا لازمی تھا اِس لئے چارو ناچار ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ ابھی کھانا شروع کیا تھا کہ ایک دوسرا ملازم کمرے میں آیا اور میرے شوہر کے قریب جا کر کان میں کچھ کہنے لگا۔ صاحب سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور بغیر کچھ کہے سُنے باہر کو چلے گئے۔ اِس پر اور بھی سب کے کان کھڑے ہوئے کہ الٰہی آج کیا ماجرا ہے۔ مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا مگر میں نے کہہ سُن کر انہیں پھر کھانے کی طرف مشغول کیا لیکن ہم میں سے ہر ایک کے چہرے سے انتشار کے آثار پیدا تھے ؁

ہمارے مہمانوں میں ایک فوجی افسر بھی تھا۔ جس کی فوج آگرہ

میں رہتی تھی وہ ہم کو برابر تسلی دیئے جاتا تھا کہ ولیم کے جانے سے تم پریشان نہ ہو۔ فضول تم نے ذرا سی بات کو اتنا طول دے دیا میرے خیال میں صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ ولیم جنرل کروکی اجازت کے بغیر چھاؤنی سے چلا آیا تھا۔ جنرل کو یہ امر ناگوار ہوا اور اب اِس غرض سے بُلا لیا کہ کچھ تنبیہ کی جائے ؞

اِس تقریر سے میرا اطمینان نہ ہوا اور لوگ بھی اپنے اپنے خیالات ظاہر کر رہے تھے۔ کبھی کبھی لطیفہ گوئی بھی ہوتی تھی جیسا کہ ان صحبتوں میں اکثر ہوتا تھا۔ مگر میں اپنے کم بخت دل کو کیا کروں کہ کسی طرح اس کا توحش کم ہی نہ ہوتا تھا۔ مہمانوں کی شرما شرمی سے کھا تو ضرور رہی تھی مگر دل اندر سے ذرا نہ لیتا تھا۔ ہر لقمہ زہر کی طرح حلق سے اترتا تھا میرے شوہر کو گئے ۵ منٹ ہو گئے۔ دس منٹ گذر گئے۔ پاؤ گھنٹہ گیا آدھ گھنٹہ ہو گیا۔ آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی ہیں مگر آئے کون؟ تین بار میں نے قصد کیا کہ کمرے سے باہر جا کر اس تاخیر کا سبب معلوم کروں۔ لیکن محض اس خیال سے کہ مہمان کہیں گے کہ میاں بی بی دونو ہمیں تنہا چھوڑ کر چلے گئے اپنی جگہ سے نہ ہلی ؞

خدا خدا کر کے ایک گھنٹے کے بعد صاحب اس صورت سے کمرے میں داخل ہوئے کہ چہرے کا رنگ زرد۔ مُنہ پر ہوائیاں۔ لب خشک اور حرکات میں اضطراب و پریشانی۔ میں نے دل میں کہا کہ یا اللہ۔ یہ ان کو کیا ہو گیا؟ کیا مصیبت ہم پر نازل ہونے والی ہے۔ سب لوگ

خاموشی سے اِس حالت کو دیکھتے ہوئے اس کے منتظر تھے کہ شاید یہ کوئی کلمہ اپنی زبان سے کہیں لیکن وہ مہر سکوت اپنے لب پر لگائے بیٹھے تھے - ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا - ہاں مجھے اشارے سے سمجھایا - کہ مہمانوں کو اس کمرے سے دوسرے کمرے میں لیجاؤ - میں چونکہ اپنے ہوش ہی میں نہ تھی - اِس اشارے کو نہ سمجھی اور پہلے سے زیادہ بہوت و حیران رہ گئی - سارے مہمان بھی ہم دونو میاں بی بی کی طرح ساکت و وصامت تھے - اس وقت کمرے کا یہ عالم تھا کہ کسی طرف ایک مکھی بھی اڑتی تھی تو اس کے پرواز کی آواز ہمارے کانوں میں آتی تھی - جب میرے شوہر نے اپنی خاموشی کو ہم لوگوں کے زیادہ اضطراب و پریشانی کا موجب سمجھا تو ہندوستانی ملازموں کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ کمرے سے باہر ہو جاؤ - ادھر نوکر کمرے سے نکلے ادھر میں اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک قریب کی کرسی پر بیٹھ کر اس کا بازو پکڑ کر کہنے لگی :-

میں - خدا کے واسطے جلدی بتاؤ - کیا ماجرا ہے ؟ کیا خدانخواستہ لندن یا کلکتہ سے کسی عزیز کی سناؤنی آئی ہے ؟

شوہر "کاش ایسا ہوتا"

اتنا کہا اور ان خواتین سے جو کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں نہایت ادب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر جانے کی درخواست کی - سب نے اس کا سبب پوچھا تو کہا "ہم مردوں کے ساتھ چند باتیں کرنا چاہتے ہیں - آپ لوگوں کی موجودگی ہمارے اختلالِ حواس

کا باعث ہوگی۔ گھبرائیے نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ سے بھی سارا واقعہ بیان کردیا جائے گا۔ لیکن اس وقت مصلحت یہی ہے کہ تمام عورتیں اِس کمرے کو خالی کردیں"۔

اس بات کے سننے سے میرے جملہ خواتین کے اضطراب میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ ہم میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیا۔ میرے شوہر نے سب کے چہروں پر آثار حزن و ملال دیکھ کر کہا:-

شوہر۔ "اچھا۔ اگر آپ لوگ باہر جانا پسند نہیں کرتیں تو سُنیں۔ میرٹھ میں جو جو ہندوستانی فوجیں تھیں ان سب نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردی ہے تمام انگریز عہدہ داروں کو قتل کرکے اب وہ گروہ دہلی کی طرف آرہا ہے۔ جنرل گرو فوج لشکر لے کر ان کے مقابلے کو جاتا ہے یہ وجہ تھی کہ اس نے فوراً ولیم کو طلب کیا تاکہ دونوں مل کر روانہ ہوں یہ واقعہ مجھ سے ابھی ولیم نے خود بیان کیا وہ اپنی نیک نفسی اور نیک خوئی کے باعث یہ نہیں گوارا کرسکتا تھا کہ ایسے خوفناک واقعہ کا اظہار مہمان خواتین اور بالخصوص اپنی نامزد ایلن کے سامنے کرے اور آپ سب کی مضطرب الحالی اور پریشانی اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اِسی وجہ سے وُہ جلدی سے باہر چلا گیا لیکن راستے سے مڑکر بنگلہ کے پیچھے آیا اور تمام حال بالتفصیل مجھ سے بیان کیا"۔

میرے شوہر کی اس تقریر سے تمام حاضرین کے چہروں پر

مردنی چھا گئی ع کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں

شدت وحشت سے ہر ایک قالب بے روح کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا - تھوڑی دیر کے بعد جب اس کیفیت میں فی الجملہ تخفیف ہوئی تو سب کے سب میرے شوہر کے قریب آکر بیٹھے اور تفصیل سے واقعہ معلوم کرنے لگے - مہمانوں میں وہ دو بیبیاں خاص طور سے پریشان تھیں جن کے شوہر میرٹھ میں نمبر ۳ کی فوج کے سردار تھے - جب انہوں نے یہ سُنا کہ باغیوں نے یورش کر کے تمام انگریز سرداروں کو قتل کر دیا ہے تو فریاد و فغاں بلند کی اور شدت گریہ و زاری سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑیں ؛

میری لڑکی چاہتی تھی کہ اپنے اضطراب کو مجھ سے چھپائے - اس لئے اس نے ایک گوشے میں جا کر عاجزی سے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور رو رو کر اپنے نامزد ولیم کے حق میں دُعا مانگنے لگی - میں نے چاہا کہ قریب جا کر اُسے اپنی آغوش میں لے لوں اور تسلی بخش کلمات سے اس کے دل کو قابو میں لاؤں کہ اِتنے میں دو نوجوان لڑکیاں جو میری ایلن کی سہیلیاں تھیں اور اس کی شادی میں شرکت کی غرض سے آئی تھیں - مجھ سے لپٹ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں - میں نے شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا - پیشانی پر بوسہ دیا اور سینہ سے لپٹا کر سمجھایا کہ گھبراؤ نہیں - خدا حافظ و مددگار ہے - اِن بیچاری لڑکیوں پر ہی منحصر نہیں - سب مہمان مرد ہوں یا عورتیں پریشان بداس

پھر رہے تھے اور کوئی جگہ ایسی نظر نہ آتی تھی کہ سب وہاں جمع ہو کر دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں۔ اس وقت میرے گھر میں کچھ ایسی پریشانی مچی ہوئی تھی کہ ایک دوسرے کی مطلق خبر نہ تھی۔ کمال تشویش و اضطراب کے باعث ہر شخص اپنے خیال میں محو تھا۔ بچے خوفزدہ ہو کر ماؤں کے سینے سے لپٹے ہوئے تھے اور ماؤں کے کلیجے خوف سے دھک دھک کر رہے تھے۔ کوئی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گراتی تھی۔ کوئی حیرانی سے زمین و آسمان کو تکتی تھی اور کوئی چھپنے کو گوشہ ڈھونڈھتی تھی۔ افسوس صد افسوس۔ مہمانوں کو کس ارادہ سے بلایا تھا اور کیا ہو رہا تھا کیسی عروسی کہاں کی شادی۔ اب تو برگشتہ نصیبی کا رونا رویا جا رہا تھا۔ اُف میں کیسی بدنصیب ہوں۔ میرے دل کا کوئی ارمان نہ نکلا۔ سب دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ کنبے والے۔ دوست احباب کبھی نہ کبھی تو میرے گھر جمع ہوئے وہ بھی اس عالم میں کہ خوف سے جانوں پر بنی ہوئی تھی ہم لوگوں کو زیادہ اضطراب اِس وجہ سے تھا کہ ہمارے کھیت اور کوٹھی میرٹھ اور دہلی کے راستے پر واقع تھی۔ پس ضرور تھا کہ باغیوں کی جماعت اِسی طرف سے گذرے۔ سب سے زیادہ یہ کھٹکا کلیجوں کو پانی کر رہا تھا۔ اور ہر ایک زن و مرد۔ چھوٹا بڑا اِس بے کسی و تباہ حالی کے عالم میں گڑگڑا کر خدا سے دُعا مانگتا تھا ؎

پہلا حادثہ

جو نہ کانوں سے سُنا تھا وہ دکھایا تو نے
اے فلک کچھ بھی تجھے شرم و حیا آتی ہے

مدافعت کی تدابیر سوچنے کے لئے سب مرد جمع ہوئے اور میں اپنے شوہر کی مرضی کے مطابق تمام عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر عقب والے کمرے سے نکل بڑے ہال میں پہنچ گئی۔ ہمارے تمام ہندوستانی نوکر جو زراعت کا کام انجام دیتے تھے۔ وہیں آکر جمع ہوئے۔ چونکہ اُن کو یہ واقعہ پہلے سے معلوم ہو چکا تھا۔ اِس لئے اُنھوں نے ہم کو پریشان دیکھ کر صدق و صفا کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ہم کو ہتھیار مل جائیں تو ہم دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔ میں نے اِس کا کوئی جواب نہ دیا۔

چونکہ مجھے اِس پریشانی میں اپنے پیارے بچے ڈیل کو دیکھے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اِس لئے میں نے اُس کی دائی کو بُلایا اور اسے اس کی گود سے اپنی آغوش میں لے کر پیار کرنے لگی۔ میں نے اپنے دِل میں ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اب جب تک یہ آفت سر سے ٹل نہ جائیگی۔ اپنے پیارے بچے کو کِسی ہندوستانی کی گود میں نہ دونگی۔ اگر اس معصوم پر کوئی آفت نازل ہو گی تو اپنی جان قربان کر دوں گی۔ مگر اُس کا بال نہ بیکا ہونے دوں گی۔ دشمنوں کی آنکھوں میں خاک جو میرے

ہوتے ساتے میرے پیارے کی طرف ٹیڑھی نظروں سے دیکھیں۔ اس کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر میرا دل بھر آتا ہے۔ اس سوچ میں گھلی جاتی تھی کہ میرا بچہ کیسے بچے گا؟ دل رنجیدہ تو تھا ہی۔ یہ خیالات جو دماغ میں سمائے تو یارائے ضبط نہ رہا۔ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی ۞

میری بیقراری اور گریہ زاری دیکھ کر تمام نوکروں کا دل بھر آیا اور ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔ سب نے پھر وفاداری کا اقرار کیا اور ہر طرح تسلی اور دلاسا دیا ۞

اس میں شک نہیں ہمارے اردگرد کے تمام لوگ ولی کو سچے دل سے چاہتے تھے۔ سبب یہ تھا کہ میں فقیروں اور محتاجوں کو اسی کے ہاتھ سے صدقہ تقسیم کراتی تھی۔ بیمار فقیروں اور یتیم بچوں کو دوا غذا اور لباس جو میں خود تیار کیا کرتی تھی۔ اسی کے ہاتھوں سے تقسیم کئے جاتے تھے۔ یہ بات کچھ اسی مقام کے لئے مخصوص نہ تھی۔ بلکہ دہلی اور اطراف دہلی میں بھی میرا ولی فقیروں ضعیفوں اور مسافروں کی نظر میں بڑا جواد سخی اور ہمدرد بچہ خیال کیا جاتا تھا۔ ولی کے ساتھ ہندوستانیوں کے خلوص نے میرے دل کو کسی قدر مطمئن بنا دیا تھا ۞

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ہندوستانی فوجوں نے حکومت انگلیشیہ کے خلاف بغاوت کر دی تو کیا ہے؟ ہندوستان کی رعایا تو عموماً اپنے بادشاہ ہی کا ساتھ دے گی۔ ایسی حالت میں جبکہ انگریزی فوجوں کے ساتھ تمام ہندوستان کی رعایا بھی شامل ہو۔ چند فتنہ پرداز

بغاوت پیشہ لوگوں کی کیا چل سکتی ہے وہ اپنے کئے کی ایسی سزا پائیں گے کہ تمام عمر یاد کریں گے۔ اِس قسم کے خیالات سے کسی قدر دل کو تسکین تو ہو جاتی تھی۔ مگر صرف منٹ دو منٹ کے لئے۔ کیونکہ رعایا اور گورنمنٹ کی موافقت جس پر میری مسرت اور خوشی کی عمارت بلند ہوتی تھی۔ ایک غیر یقینی امر تھا *

حکومت انگلیشیہ کے زوال یا قیام سے قطع نظر کر کے جب میں اپنے معاملات پر غور کرتی تھی تو دل اندر سے بھی پکارتا تھا کہ یہ سب ہندوستانی جو آج ہمارے سامنے ہاتھ باندھے کمال خلوص کا اظہار کر رہے ہیں۔ بات بگڑتے ہی چڑیوں کی طرح اُڑ جائیں گے اور ایک بھی پاس نہ پھٹکے گا۔ جب تک ہوا بندھ رہی ہے۔ یہ ہمارے فرمانبردار ہیں۔ جس وقت خدانخواستہ ہوا اُکھڑی۔ سب اپنا اپنا راستہ لینگے ہمارا ان پر زور ہی کیا ہے۔ ہمارے ہم مذہب نہیں۔ ہم وطن نہیں رعایا نہیں۔ غلام نہیں۔ مزدور نہیں۔ دن بھر کام کرتے ہیں اور شام کو اُجرت لے کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ ہماری کاشتکاری کی بدولت یہ اتنی صورتیں اس وقت نظر آتی ہیں *

کبھی خود ہی یہ خیال آتا تھا۔ کیا بعید ہے۔ اگر یہ سب لوگ جو انگریز کاشتکاروں کی ماتحتی میں کام کر رہے ہیں۔ بغاوت پیشہ گروہ سے باطن میں مل گئے ہوں اور وقتِ بد کے منتظر ہوں۔ مانا کہ ہمارے دکھانے کے لئے دو چار ہاتھ ان سے لڑیں بھی۔ مگر چونکہ باطن

میں سب ایک ہیں - اِس لئے ناممکن ہے کہ ہم سے دغا نہ کریں ۔

باوجودیکہ ہم انگریز کاشتکاران ہندوستانیوں سے بکمال شفقت و ہمدردی پیش آتے ہیں مگر مذہبی اختلاف کے باعث وہ ہمیشہ کشیدہ خاطر رہتے ہیں اور کسی وقت ان کی پیشانی کا بل نہیں نکلتا۔ بعض تو اپنے مالکوں سے ناراض ہو کر سخت سخت کلمات کہہ جاتے ہیں اور بعض طرح طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس پر اگرچہ سخت سزائیں بھی ملتی ہیں۔ مگر وہ کہاں ماننے والے ہیں۔ پس اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ میں نے خیال کیا۔ تو ضرور ہم کو قتل و غارت کے ہولناک حوادث کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ میں اِن وحشت خیز خیالات میں محو تھی کہ میرے شوہر کھانے کے کمرے سے جہاں سب مہمان مرد جمع تھے۔ باہر آئے۔ ہمارے تمام ہندوستانی خدمتگاروں نے شور مچایا

"خدا انگریزوں کو سلامت رکھے"

اور میرے شوہر سے درخواست کی کہ ہم کو ہتھیار عنائیت کر دئے جائیں تو ہم دشمنوں سے لڑ کر اپنی وفاداری کا اظہار کریں۔ ہم کو آپ کے نمک کا پاس ہے۔ جب تک جسموں میں جان ہے۔ آپ کی رفاقت سے منہ نہ موڑیں گے۔ ہمیں آپ لوگوں سے بڑے فائدے پہنچے ہیں ۔

ہم لوگوں کے بنگلے اور کھیت چونکہ شہر سے دُور جنگل میں واقع تھے اس لئے بمقتضائے احتیاط ہر قسم کے ہتھیار گھر میں رکھتے تھے۔ ان سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وحشی جانوروں اور صحرائی درندوں سے جو بکثرت

اطراف وجوانب میں تھے حفاظت رہے۔ اکثر درندوں کا غول جنگل سے نکل کر مکانات کے قریب تک آجاتا تھا۔ چنانچہ میں نے خود ایک رات کو بہت سے سور۔ بھیڑئے اور گیدڑ دیکھے جن کے حملوں سے ہمارے چند نوکر بھی ہلاک ہوگئے۔ شیروں کی دھاڑ سے جب جنگل گونجتا تھا۔ تو ساری ساری رات خوف میں جاگتے گذر جاتی تھی ؛

غرضکہ جب باغی فوج کے نزدیک آجانے کی خبر پہنچی۔ ہم نے فوراً اپنے ہتھیار خانے کو کھول کر پچاس بندوقیں نکالیں اور گوروں اور بعض ہندوستانی مزدوروں کو تقسیم کر دیں۔ مہمانوں کے پاس اگرچہ چند فیر کے طمنچے موجود تھے۔ لیکن اس پر بھی میرے شوہر نے اپنے شکار کی خاص بندوقیں انہیں دے دیں اور سب کو تھوڑے تھوڑے کارتوس بانٹ دئے ؛

جب سے ولیم گیا تھا۔ ہم برابر اپنے تحفظ کے سامان میں مشغول تھے۔ ہم کو اس موقعہ پر بے حد افسوس آتا ہے کہ ہمارے مرد تو ہتھیار لے کر مرنے مارنے کو آمادہ ہوگئے۔ لیکن ہم کم بخت عورتیں اس قابل بھی نہیں کہ کوئی حربہ لے کر کھڑی ہو جائیں اور کم از کم اپنا ہی تحفظ کریں۔ سچ یہ ہے کہ عورت کا جسم نہایت ہی ضعیف اور ناتواں جسم ہے۔ ہم سے بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ لرزتے کانپتے ایک اونچے بالاخانے پر چڑھ جائیں جس کو بالاتفاق سب نے پناہ کی جگہ تجویز کیا تھا ؛

ہائے کیا بیکسی کا عالم تھا - اُف کیسی مایوسی کا عالم تھا - اِس اضطراب کی حالت کا منظر تمام عمر کلیجے کو لرزائے گا - آج تک ہمیں کبھی ایسا موقعہ کاہے کو پیش آیا تھا - ہمیشہ عیش و آرام سے گذری - ناز و نعمت سے بسر کی - حکومت سے رہے - مگر دنیا کی کسی حالت کو چونکہ قیام نہیں - اِس لئے اس روزِ بد کا منہ دیکھا - ان مصیبتوں کا جھیلنا قرینِ عقل ہے موافق اِنتظامِ عالم ہے - یہاں نہ کسی کی ایک سی رہی اور نہ رہے گی ؟

شریف زادیاں ہماری اس وقت کی قلبی کیفیت کا اندازہ کرسکتی ہیں - ہائے جان کیسی پیاری چیز ہے - جس بالاخانہ پر ہیں گھنٹوں میں اپنے شوہر کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر چڑھا کرتی تھی - آج اُسی پر وحشی ہرنیوں کی طرح اچھلتی کودتی چلی جاتی تھی - خدا کسی دشمن پر بھی بُرا وقت نہ لائے - ہم میں سے ہر ایک بی بی کا یہ عالم تھا کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں - رنگت زرد پڑ گئی تھی - ایک دوسری کو حسرت سے تکتی اور رہ جاتی تھی - سینوں میں دل دھڑک رہے تھے - زبان سے پوری بات ادا نہ ہوتی تھی ؟

میں ایک کونے میں کھڑی اپنے مہمانوں کے کملائے ہوئے چہروں کو بار بار دیکھتی تھی اور دل میں کہتی افسوس یہ میری لڑکی کی شادی میں کہاں کہاں سے زحمت گوارا کر کے آئے - میں نے اِن کو کس شوق سے بُلایا - مگر راحت و آرام کے بدلے - فرحت و انبساط کے عوض بیچاریوں پر یہ آفت نازل ہوئی - میں تو ابھی ان سے منہ

بھر کر بولنے بھی نہ پائی تھی - جی بھر کر مدارات بھی نہ کر سکی تھی کہ یہ بلائے ناگہانی سر پر آ گئی - ادھر مہمانوں کا قدم گھر میں آیا اور ادھر موت کے فرشتے نے دانت دکھائے - کیا دنیا میں کسی نے بھی ایسی مہمانی کی ہو گی ٭

سب سے بڑا خیال اس موقعے پر اپنی بیٹی ایلین کا تھا جو ولیم کے جانے کے بعد سے بالکل خاموش تھی - سارا جسم زرد پڑا تھا - بار بار آنسو آنکھوں میں بھر آتے تھے مگر مجھ سے غم چھپانے کے لئے منہ پھیر پھیر کر رومال سے پونچھ لیتی تھی - اس کا رونا اور ملال کرنا سچ پوچھو تو بالکل حق بجانب تھا - ابھی اس دکھیا نے دیکھا ہی کیا تھا یہ زمانہ تو خاص طور سے اس کے ہنسنے بولنے کا تھا مگر بقول کسی کے ؎

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

اس کے غم کا اندازہ تو کوئی ایسی بدنصیب ہی کر سکتی ہے جس کو برگشتہ نصیبی نے شادی کے موقعہ پر رلایا ہو - وہ بدنصیب دلھن کیا خاک اپنا دل قابو میں رکھ سکتی ہے - جس کے عین شادی کے روز شوہر کی جان معرض ہلاکت میں پڑ جائے اور خود اس کی اور اس کے عزیزوں کی کشتیٔ حیات بھی طوفان حوادث میں ڈگمگا رہی ہو ٭

میں بار بار اس کے پاس جا کر اسے اس طرح تسلی دیتی ،،
بس ٹ پیاری بیٹی - میں قربان گئی - صبر سے کام لو - خدا کی قدرت

کو بھول جاتی ہو۔ کسی بات کا زیادہ خیال اچھا نہیں ہوتا۔ دنیا میں اِس
قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بڑی بڑی مہموں میں لوگ
پھنس جاتے ہیں اور خداوند عالم ان کو نجات دیتا ہے تمہارے اس
قدر گھبرانے کی کیا بات ہے؟ خدا کریگا کہ اب کوئی دم میں پیارا
ولیم گھوڑا اُڑاتا آتا ہوگا۔ ابھی کیا معلوم وہ مقابلے کے لئے گیا
بھی ہے یا چھاؤنی ہی میں ہے؟ تم کو میری جان کی قسم طبیعت کو پریشان
نہ کرو۔ بیٹا ایلن۔ تمہاری آزردگی سے میرا کلیجہ خون ہوا جاتا ہے
صبر کر بیٹی صبر کر" :

ایلن۔ "اماں جان۔ میں کیا کروں۔ دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا
ہے۔ ہرچند سمجھاتی ہوں مگر اس کی تڑپ کم نہیں ہوتی۔ خدا معلوم
کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے کہ میرا ہر موئے بدن روئے دیتا
ہے۔ اُف۔ دنیا میں کوئی مجھ سی بدنصیب کاہے کو ہوگی۔ ہائے کس
سے دل کی چوٹ کہوں" :

اِتنا کہا اور خاموش ہوگئی۔ میں نے پھر زیادہ کہنا مناسب
نہ سمجھا۔ اس کے پاس سے اُٹھ کر مہمان عورتوں کے پاس چلی گئی۔
ہر ایک بی بی اس طرح دوسری کے چہرے پر نظر ڈالتی تھی۔ گویا اس
کے بعد پھر ملاقات نصیب نہ ہوگی۔ ہماری حالت اس وقت بالکل
ان بھیڑوں کی سی تھی۔ جن کو مسلمان لوگ عید قربان کے روز ذبح
کرنے کے واسطے لاتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک حلق پر چھری

پھرنے کی منتظر ہوتی ہے۔

ہمارا بالاخانہ چونکہ بہت بلندی پر تھا۔ اِس لئے دوپہر کا آفتاب اپنی پوری شعاعوں سے درو دیوار پر چمک رہا تھا۔ اِس پر طرّہ یہ کہ ہوا اِس قدر تیز چل رہی تھی کہ خدا کی پناہ۔ قریب تھا کہ دشمنوں کے پہنچنے سے پہلے ہم سب کی جانیں تلف ہو جائیں۔ جس طرف کو منہ پھراتے تھے۔ لو کے تھپیڑے جلد کو جھلس دیتے تھے۔ خدا کی شان دیکھو جس کو پناہ کا مقام سمجھا تھا وہ سب سے زیادہ ہلاکت کی جگہ بن گیا۔ میں حیران تھی کہ اس حالت میں کہاں اِن بیچاری عورتوں کو لے کر جاؤں۔ کیا کروں؟ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن طبیعت کو ایک عجیب الجھن تھی۔ میں اچھی طرح کہہ سکتی ہوں کہ اِن تمام حوادث میں جو اس زمانے میں ہم پر نازل ہوئے۔ یہ حادثہ بھی حد درجے کا مصیبت ناک اور جان گسل تھا۔

آفتاب کی تیزی اور لو کے تھپیڑوں سے اکثر عورتیں ہلاکت کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ ہائے کوچوں پر سونے والیاں خس کی ٹٹیوں میں رہنے والیاں یہ جانکاہ مصیبت برداشت کر رہی تھیں اور اپنا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ کوئی بیچاری اپنی گردن گھٹنوں میں دیئے آنے والی مصیبت کا تصوّر کر رہی تھی۔ کوئی پریشان حال روتی صورت دیوانہ وار اِدھر اُدھر پھرتی تھی اور کوئی باہر کی آواز پر کان لگائے تھی۔ باوجود کوئی صدا بلند نہ ہونے کے شدّت وہم

سے یہی خیال ہوتا تھا کہ باغی ہمارے احاطہ میں گھس آئے اور ہمارے مردوں سے برسرِ پیکار ہو رہے ہیں ؎

دو تین عورتیں جن میں سے ایک میں بھی تھی۔ باوجود انتہائی وحشت و اضطراب کے بظاہر مضبوط دل کئے برابر اوروں کو تسلی اور دلاسا دیئے جاتی تھیں ؎

یہ خدا کا شکر ہے کہ میرے سوا اور کسی عورت کے پاس بچہ نہ تھا۔ میں اپنے ویل کو سینے سے لپٹائے ہوئے تھی۔ شرِ دشمن سے اس کی محافظت کے لئے اپنے میں شیر سے زیادہ طاقت محسوس کرتی تھی۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ اگر کسی باغی نے اِس پھول سے بچے پر حملہ کیا تو میں اِن کمزور کلائیوں اور ناتواں ہاتھوں سے اُس کا گلا ایسا دباؤں گی کہ موذی بلبلا تا رہ جائے گا ؎

بالاخانے سے میں چاروں طرف نگاہ دوڑا رہی تھی مشرق کی طرف سے تو سفید خط اس راستے کا نظر آرہا تھا۔ جو دہلی سے میرٹھ کو گیا ہے اور جس کے دونو طرف سرسبز و شاداب درختوں کی قطار ہے۔ مغرب کی طرف جمنا کا پل تھا یا قلعہ سلیم غوری کے برج یا دیواریں۔ جن میں سے ایک مینار پر انگریزی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اِس کے علاوہ سلاطین گورگانیہ کے محلات کے گنبد اور دہلی کی مسجدوں کے مینار نظر آتے تھے۔ جنوب و شمال کی طرف دہلی کے گاؤں اور صحرائی سلسلہ تھا ؎

ہم ہیں سے وُہ عورتیں جن کا دل کسی قدر قابو میں تھا۔ کھڑکیوں سے مُنہ نکالے مشرقی جانب نظر دوڑا رہی تھیں۔ دو گھنٹے متواتر اسی صورت سے گذر گئے اور کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ بے قاعدہ آمد و رفت بھی نظر نہ آئی۔ البتہ کبھی کبھی کچھ سوار دہلی سے مشرقی جانب جاتے یا ادھر سے جلدی جلدی آکر وارد شہر ہوتے تھے۔ ہمارا خوف کسی قدر زائل ہو چلا تھا۔ ہم کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ باغیوں نے میرٹھ میں شکست کھائی۔ بعض خواتین جو میرٹھ سے آئی تھیں۔ میرٹھ کے فرنگی سرداروں کی شجاعت و حسنِ انتظام کی تعریفیں کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ ان کے مقابلے میں باغی ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جمنا کی طرف سے بگل کی آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ اگرچہ ہوا مخالف تھی۔ مگر وہ آواز برابر نزدیک ہوتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ ہمیں باجوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔

میں۔ ایں۔ یہ باجوں کی آواز کیسی ہے (پاس والی لیڈی سے) ذرا دیکھنا کیا معاملہ ہے؟

ایک لیڈی۔ ایک رسالہ دہلی سے آرہا ہے۔ خدا جانے کہاں جاتا ہے؟

دوسری۔ ذرا غور سے دیکھنا۔ باغی تو نہیں ہیں؟

تیسری (سینہ پر ہاتھ رکھ کر) مجھے تو یہ باغی ہی معلوم ہوتے ہیں

اُف - اب کیا کریں - کہاں جائیں ۞

میں - گھبراؤ نہیں - یہ باغی نہیں ہیں - میں نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا - یہ جنرل کرو کا رسالہ ہے جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے میرٹھ جا رہا ہے - میری اس گفتگو سے سب کی جان میں جان آئی - ہر ایک بی بی سر بلند کر کے آنے والی فوج کو دیکھنے لگی ۞

جوں ہی یہ رسالہ ہمارے خانہ باغ کے سامنے سے گزرا سب سواروں نے مِل کر آواز دی "خدا انگریزوں کو سلامت رکھے" اِس آواز کو سُن کر ہم لوگ بالاخانہ سے اُترے اور انگریزوں کی کامیابی کی دُعا مانگی ۞

قاعدہ ہے - جب انسان پر بُرا وقت آتا ہے تو اُس کی طبیعت فال اور شگون وغیرہ کی طرف زیادہ مائل ہو جاتی ہے چنانچہ اسی بنا پر ہم نے خودبخود رسالے کی آمد سے یہ فال اخذ کی کہ ان کو ضرور کامیابی ہوگی - کیونکہ فتح وفیروزی کے نشان ان کے جھنڈے سے نمایاں ہیں - جنرل کرو کا رسالہ آگے بڑھ گیا تو ہم سب لوگ ذرا دیر مطمئن ہو کر خانہ باغ میں آ کر بیٹھے - فتح کی خوش خبری پر کان لگے ہوئے تھے کہ ناگاہ میرٹھ کی طرف سے گرد و غبار بلند ہوا - جب دامن گرد پھٹا تو دیکھا کہ انگریزی سوار اور پیادے توپ خانہ لئے ہوئے کبھی آگے کو ہماری طرف آتے ہیں اور کبھی اس طرف سے پشت کر کے باغیوں کی فوج پر توپیں داغتے ہیں ۞

جو فوجیں جنرل کرو کے ماتحت تھیں۔ (یعنی پلٹن نمبر ۳۸ و پلٹن نمبر ۵۴ و پلٹن نمبر ۷۴) ہندوستانی پیادے تھے۔ جن کا مقابلہ باغیوں سے ہوا۔ جنرل مذکور اور چند یورپین عہدہ داروں کو تنہا چھوڑ کر باغیوں سے جا ملے۔ یہ وجہ تھی کہ جنرل کرو اپنے چند انگریز ساتھیوں کے ساتھ مجھے معلوم ہوتا تھا اور بطور جنگ مغلوبہ دہلی کی طرف آ رہا تھا۔ جب ہمارے باغ کے سامنے پہنچا تو دہلی کے راستے کے سامنے رُک گیا۔ اس مقام پر ایک ٹیلہ تھا۔ جنرل نے اس کی آڑ لے کر دنادن گولے برسانے شروع کئے۔ اس کی یہ مردانہ لڑائی و دلیرانہ جنگ ہمارے لئے باعثِ زحمت و وبال ہوگئی۔ کیونکہ زخمی سپاہیوں نے جب اس طرف کی راہ بند دیکھی۔ وحشیانہ دہنی جانب کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنرل نے بلندی سے ایک توپ اور خالی کی۔ جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ باغیوں نے اِس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اپنے زخمیوں اور مقتولوں کو باغ میں ڈال کر دہلی کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہم یہ حالت دیکھ کر پھر بالاخانے پر چڑھ گئے۔ لوگوں کا ہجوم۔ بچوں اور عورتوں کی چیخ پکار۔ توپوں اور بندوقوں کی آوازیں۔ باغیوں کے نعرے ہماری وحشت اور دہشت کو اس قدر بڑھا رہے تھے کہ تمام عالم نظروں میں تیرہ و تار ہو رہا تھا۔ مرد و عورت سب پریشان تھے کہ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ کس کی پناہ ڈھونڈیں۔ اسی جگہ رہیں کہ جان و مال اور ناموس سب باغیوں کے ہاتھ چھوڑ دیں یا غیرت حیا کے

اقتضا سے خودکشی کرلیں اور انتظار مرگ اور ننگ و ناموس کے خوف سے نجات پائیں۔ غرض کہ ایک عجیب خلجان تھا۔ ولیم کی نسبت ہمارا یہ خیال تھا کہ وہ ضرور سلح خانہ پر متعین ہے ورنہ ایسے خطرناک وقت میں ہماری اور بالخصوص اپنی زوجہ کی امداد کے لئے ضرور آتا۔ اب ہم لوگوں کو بجز اس کے کیا چارہ تھا کہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور گردش فلک جو بلا سر پر لائیں اس کو اُٹھائیں؟ چنانچہ جتنے انگریز ہمارے گھر میں موجود تھے سب اپنی اپنی بندوقیں کندھوں پر رکھ کر آمادہ قتال ہو گئے۔ راستے کی جانب سب کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ کہ ایک ہندو شخص نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا بولا" صاحب خانہ کہاں ہیں؟

میرا شوہر آگے بڑھا۔ اُس نے ایک خط جس پر چند سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ صاحب کو دیا اور فوراً جس راہ سے آیا تھا لوٹ گیا یہ خط ولیم کا تھا۔ جس میں ذیل کی عبارت درج تھی:-

"جنرل کرونے راستہ گھیر لیا ہے۔ تم لوگ وقت کو غنیمت سمجھ کر بہت جلد پل سے پار ہو جاؤ اور جس طرح ہو اپنے کو شہر میں پہنچا دو۔ اور جہاں قیام کرو۔ مجھے اطلاع دو۔ میں ہتھیار خانے پر معین ہونے کی وجہ سے تمہاری امداد سے معذور ہوں۔ میرا اسلام میری عروس کو پہنچا دو اور دل قوی رکھو۔ وقتِ دیدار قریب ہے"۔ ولیم

اِس تحریر کو پڑھ کر دل کو کسی قدر قوت واطمینان حاصل ہوا فرصت کو غنیمت اور تاخیر میں آفت خیال کر کے چلنے پر آمادہ ہو گئے:

اس پادری نے جو ہمارے یہاں شادی میں آیا تھا اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے اول تو کچھ دُعا مانگی - پھر ہم کو یوں مخاطب کیا۔ "معزز بھائیو اور عزیز خواہرو! ہم کو چاہیئے کہ اس

وقتِ مصیبت میں خدا سے دُعا مانگیں کہ ہم کو اپنی حفاظت وحراست میں رکھے اور دشمنوں کے شر سے بچائے"

یہ سُن کر سب نے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور دُعا کر کے آمین کہی - اِس کے بعد ہر شخص فرار کے لئے آمادہ ہوا مگر میں نے دیکھا کہ میرے شوہر کا ارادہ کچھ اور معلوم ہوتا ہے - قریب جا کر میں نے کہا:-

میں - کیا کر رہے ہو - جلدی یہاں سے بھاگو - ایسا نہ ہو کہ موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے - کیا تمہارا ارادہ جانے کا نہیں جو تیاری نہیں کرتے ؟"

شوہر - میرے نزدیک یہاں سے جانا خلافِ مصلحت ہے ؛

میں - کیوں ؟

شوہر - مجھے یقین ہے کہ جس وقت بلوائی قلعہ دہلی کی دیوار کے نزدیک پہنچیں گے اور شہر کے دروازے کو بند - حفاظت کا سامان تیار اور تمام شہر کو آمادہ جنگ وجدل پائیں گے بالضرور پریشان

ہو کر بھاگ جائیں گے ؛

میں - خدا جانے تمہیں کیا ہوگیا ہے جو سوجھتی ہے اُلٹی ہی سوجھتی ہے بھلا اگر ایسا ہوتا تو ولیم کیوں لکھتا کہ بہت جلد یہاں سے بھاگ جاؤ ؛

شوہر - ولیم کا خیال غلط ہے - جب امید ہے کہ فتنہ بہت جلد فرو ہو جائے گا - تو کیوں بیوقوفوں کی طرح بھاگے بھاگے پھریں ؟ جب یہاں کوئی محافظ نہ رہے گا تو جس کا دل چاہے گا آکر لوٹ لے گا - مثل مشہور ہے کہ "خانہ خالی را دیو میگیرد" یہ کہا اور ان سو ہندوستانی سپاہیوں کے پاس جاکر جو ہتھیار بند ہماری حفاظت کے لئے کھڑے تھے کہنے لگا - دو دیکھو - اگر بلوائی ہماری عمارت یا کاشت کی طرف رُخ کریں تو ان کو روکنا نہیں بلکہ ان کے زخمیوں کے ساتھ احسان کرنا" ؛

یہ قول میرے شوہر کا اگرچہ مقتضائے انصاف و دانشمندی تھا لیکن اس سے مطلب برآری دشوار تھی - کیونکہ جنرل کہ وہ ہمارے خانہ باغ کے سامنے صف آرائی کر کے باغیوں سے لڑ چکا تھا - یہی سبب تھا کہ بلوائیوں نے ہماری طرف باغ کا قصد کیا اور یکبارگی سیلاب یا مور و ملخ کے دل کی طرح ہمارے باغ میں گھس آئے اور زور زور سے چلانے لگے " مارلو - کافر فرنگیوں کو" ؛

اب میرے شوہر کی آنکھیں کھلیں اور سمجھا کہ ہمارا ہی خیال درست تھا وہ اپنی غلط رائے زنی پر بیحد شرمندہ ہوا - میں نے کہا - ابھی کچھ نہیں گیا - جلد یہاں سے بھاگ چلو - ورنہ یاد رکھنا

ہم میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔ سب یہیں کھیت ہو کر رہ جائیں گے"
میری اس تقریر نے اس پر اثر کیا اور بھاگنے کی ٹھہر گئی۔ چھپا چھپ سب نے مل کر ضروری سامان کو ایک جگہ باندھا اور جس قدر جواہرات اور سیم وزر و نقد و از قسم زیور ہمارے پاس تھا۔ سب باندھ کر ایلن نے اپنی بغل میں دبا لیا اور ہم لوگ کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ سائیس تین گھوڑے جو مہمانوں کے جانے کے بعد باقی رہ گئے تھے ہمارے واسطے لئے تیار کھڑا تھا۔ ہم ان پر سوار ہوئے اور شہر کی جانب باگیں اُٹھا دیں ؃

دُوسرا حادثہ

چل دئے چھوڑ کر دیر و حرم
جائیں گے جس جا خدا لے جائے گا

ہندوستانی ملازموں کی بے وفائی اور کج ادائی کے متعلق میرا خیال غلط نہ تھا انھوں نے ٹھیک اس وقت ہمارا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ ہم کو ان کی امداد کی بیحد ضرورت تھی۔ یا تو سب کے سب ہماری حمایت پر کمر باندھے کھڑے تھے۔ یا باغیوں کو باغ میں داخل ہوتا دیکھ کر یہ جا وہ جا ؃

جب ہم لوگ بھاگنے کے خیال سے سامان درست کرکے باہر

نکلے تو میدان بالکل صاف تھا۔ جس نوکر کو آواز دے کر بلاتے تھے وہی نذار دینین سو نفوس میں صرف دو آدمی ایسے تھے جنھوں نے اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا اور اپنے ہر طرز عمل سے تبلا دیا کہ نمک شناس اور وفا شعار خدمتگذار ایسے ہوتے ہیں۔ اِن میں سے ایک تو وہ ہندو عورت تھی۔ جس نے میرے لڑکے ڈیل کو دودھ پلایا تھا اور تین برس سے اس کی تربیت میں مشغول تھی۔ دوسرا ہمارا فیلبان تھا۔ جو ایک عرصے سے اِس خدمت پر مامور تھا؛

فیل بان نے روانگی کے وقت تھوڑا سا کھانا۔ لباس اور بعض ضروری چیزیں ہاتھی کے ہودج پر رکھ لی تھیں اور ہمارے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔ دائی ڈیل کو لئے پا پیادہ ہمارے ساتھ ساتھ تھی؛

اُف۔ وہ دن بھی عمر بھر نہ بھولے گا۔ کیسا قیامت کا وہ وقت تھا جب ہم حسرت سے اپنی کوٹھی اور کھیتوں کو دیکھتے ہوئے جاتے تھے۔ وہاں کی ایک ایک چیز دل کو کھینچے لیتی تھی۔ میں دل میں کہتی تھی۔ دیکھئے اب پھر یہاں آنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں اور اگر مقدر لے بھی آیا تو نہ معلوم کس حال میں پائیں گے۔ اے میرے معبود۔ کسی دشمن کو بھی یہ دن نصیب نہ کرنا؛

کچھ دور چل کر مجھے خیال آیا کہ دائی سے ڈیل کو لینا چاہیئے نہ معلوم کیا افتاد پڑے۔ اپنا بچہ اپنے ہی پاس بھلا ہے۔ فوراً

باگ تھام کروائی سے بچے کو لے لیا اور پیار کر کے اپنے آگے بٹھا لیا ایلین اور اس کا باپ دونو باتیں کہتے آگے آگے جا رہے تھے اور میرا گھوڑا پیچھے پیچھے تھا - یوں ہی ہم پل پر پہنچے - عقب سے کچھ شور کی آواز سنائی دی - پیچھا پھیر کر جو دیکھا تو وہ قیامت خیز منظر دکھائی دیا کہ ہوش گم ہو گئے - بے اختیار ایک آہ کا نعرہ زبان سے نکلا - میری اس اچانک فریاد کو سن کر شوہر اور لڑکی نے گھوڑے روکے اور پوچھا کیا واقعہ ہے ؟"

میں (اپنی کوٹھی کی طرف اشارہ کر کے) اُف - یہ تو دیکھو - کیا غضب ہو گیا - ہائے دشمنوں نے میرا گھر جلا کر خاک کر دیا - اُف - کس غضب کے شعلے اُٹھ رہے ہیں - ہائے - کیا کروں - کون اس وقت بیکسی میں فریاد رسی کرے - اُف ظالموں نے گھر کیا جلایا - میرے دل کو پھونک ڈالا :

شوہر - بس بس - صبر سے کام لو - تمہاری اس فریاد و فغاں سے کیا شعلے فرو ہو جائیں گے - مفت میں دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتی ہو اگر زندگی ہے تو ایسی ایسی ہزار کوٹھیاں تیار کرا لیں گے " :

میں - ہائے ان مصیبتوں پر صبر کرنے کے لئے کس کا دل لاؤں - میں ان کلفتوں کو برداشت کرنے کی کہاں عادی ہوں - اُف دل پر سانپ کیسے نہ چلے - وہ میرا شاندار مسکن جو برسوں محل عیش و شادمانی اور خانۂ نیک بختی و اقبال رہا تھا - سب شعلوں کی نذر ہو گیا - یا اللہ دل کی لگی کا تو ہی مٹانے والا ہے - اے بیکسوں کے معبود ! ظلم و

بیداد کی داد تیرے ہی ہاتھ ہے ؏

ایلین۔ اماں جان (روتی آواز سے) جو ہو گیا۔ اُسے چھوڑو۔ آئندہ کی خیر مناؤ۔ ابھی نہ معلوم ہمارے مقدر میں کیا لکھا ہوا ہے خدا اِن ظالموں کو دُنیا سے کھوئے۔ کیسا ہمارے عیش و آرام میں خلل ڈالا ہے کم بختوں کو اگر ایسی ہی عداوت تھی تو لوٹ کر لے جاتے۔ بھلا جلانے سے کیا مِل گیا ؏

کچھ دیر تک تو ہم حسرت بھری نگاہوں سے اپنی بضاعت کو جلتے دیکھتے رہے۔ پھر مجبوراً گھوڑوں کو آگے بڑھایا۔ پُل پر اہل شہر کا بہت زیادہ ہجوم تھا۔ گروہ کے گروہ تحقیق حال کے لئے شہر سے نکل کر پُل پر جمع ہو رہے تھے۔ جنرل کِروکی فوج کے بعض مفرور سپاہیوں نے یہاں پہنچ کر یہ خبر اُڑا دی تھی کہ جنرل مذکور شکست فاش کھا کر فراریوں کی طرح لڑتا ہوا پیچھے ہٹتا آ رہا ہے ؏

شہر والے باوجودیکہ دل میں پوری پوری عداوت ہم انگریزوں سے رکھتے تھے مگر اس وقت تک خوف کے مارے زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اِس خبر کے سنتے ہی اُن کی ہمتیں بڑھ گئیں اور قوی دل ہو کر کینہ دیرینہ کو ظاہر کرنے لگے۔ کبھی وحشیوں کی طرح نامہذب حرکات کرتے تھے۔ کبھی گستاخانہ الفاظ بکنے لگتے تھے۔ کبھی ہم لوگوں کو دیکھ کر طعن آمیز باتیں اور بہتان چسپت کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل صلح و امن کے زمانے میں یہ لوگ ہم انگریزوں کے ساتھ یہ لوگ

ہم انگریزوں کے ساتھ نہایت مہذبانہ اور مؤدبانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جس وقت بھی ہم لوگوں میں سے کوئی کسی مقام پر آنا جاتا مل جاتا تھا۔ تو یہ لوگ نیچے کو ہاتھ ڈال کر ایک طرف کو ہو جاتے تھے اور نہایت تعظیم و تکریم سے جھک جھک کر سلام بجالاتے تھے۔ آج کہ شورش برپا ہے اور ہمارا رایت اقبال سرنگوں ہے۔ وہی لوگ ہم کو آنکھیں دکھاتے ہیں جو بارِ اطاعت سے مثلِ کمان خمیدہ رہتے تھے۔ آج تیر کی طرح سیدھے ہیں۔ جو دل ہمارا نام سن کر لرزتے تھے۔ آج ہم ان سے خوف سے کوسوں دُور ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ شہر میں سے جو انگریز گذرتا تھا۔ عزت کی نگاہیں اُس کے خیر مقدم کو اُٹھتی تھیں ایک وقت یہ ہے کہ ہر ذلیل سے ذلیل ہندوستانی ہماری توہین و تحقیر پر آمادہ ہے۔ جس کی طرف دیکھو۔ آنکھوں سے خون گرا رہا ہے۔ غصے سے دانت پیستا ہے۔ گو زبان سے نہ کہیں مگر انکی زبان حال یہ کہہ رہی ہے کہ یہ مملکت ہندوستان ہے جو بطور وراثت ہم کو ہمارے اجداد سے پہنچی ہے تم دوسرے ملک کے رہنے والے کس حق سے ہم پر حکومت کر رہے ہو۔ کس دلیل سے حاکم علی الاطلاق بن کر ہمارے اموال و املاک پر قابض و متصرف ہو؟

خلاصہ یہ کہ میں اُن کی چشم غضب ناک اور جبیں بہ جبیں دیکھ کر سہمی جاتی تھی۔ گھوڑے کو آگے تو بڑھاتی مگر دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ اُف کیا غضب ہوتا اگر اس وقت کسی کا گھوڑا چراغ پا

ہو جاتا۔ یا سرکشی کرنے لگتا وہ ظالم تو ہم کو کچا کھا جاتے ۔ آہ! کاش ایسا ہوتا اور باغیوں نے ہم کو پکڑ کر دریا میں ڈبو دیا ہوتا تاکہ اِن روح فرسا حوادث کا سامنا نہ ہوتا جو اس کے بعد پیش آئے ؛

غرض کہ بہ مشکل تمام ہم لوگ پل سے گذر کر کلکتیہ دروازہ پر پہنچے۔ یہاں خلائق کا اِس قدر اژدحام تھا کہ خدا کی پناہ کِسی طرح شہر میں داخل ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے مہمان جو ہم سے ایک گھنٹہ قبل روانہ ہوئے تھے ۔ اب تک یہاں رُکے ہوئے تھے ۔ ہندوستانی ٹولے دھکیلتے نکل ہی جاتے تھے۔ مگر ہم انگریزوں کے لئے راستہ بالکل بند تھا - ایک طرف جو میری نظر گئی تو دیکھتی کیا ہوں کہ وہ خواتین جو ہمارے یہاں میرٹھ و سکندر آباد وغیرہ سے آئی تھیں اور ہم سے پہلے بھاگ کھڑی تھیں وہ بھی وہیں کھڑی ہوئی ہیں۔ اُنھوں نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا کہ گھوڑے سے اُتر آؤ۔ میں نے آہستہ سے سبب پوچھا تو ایک نے اِن میں سے کہا کہ یہ لوگ ہم فرنگیوں سے کینہ اور عداوت رکھتے تھے مگر انہیں اس کے اظہار کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ اب اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں ہم کو مغلوب دیکھ کر ایذا رسانی پر آمادہ ہیں۔ پس ہم جہاں تک بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں بہتر ہے ؛

اسی اثنا میں اس محلے سے جس میں انگریز حکام رہتے

تھے۔ ہائے ہو کی صدا بلند ہوئی۔ ایک لحظے کے بعد معلوم ہؤا کہ بلوائیوں کے ایک بڑے گروہ نے کچہریوں پر حملہ کر دیا اور چلاّ چلاّ کر کہہ رہے ہیں "انگریزوں کو مار ڈالو" اِس آواز نے جو تمام فضائے آسمانی میں گونج رہی تھی ہمارے دلوں کو ایسا صدمہ پہنچایا کہ جانوں پر آبنی۔ ہم کو کوئی امید زندگی کی اور کوئی راستہ نجات کا دکھائی نہ دیتا تھا :۔

دو تین منٹ سے زیادہ نہ گذرے تھے کہ ہندوستانیوں نے ایک ذی مرتبہ انگریز کو ہمارے سامنے گھوڑے سے کھینچ کر زمین پر لا ڈالا اور لات گھونسا۔ لکڑی سے ادھ مؤا کر کے شہر کے خندق میں جو کیچڑ سے بھرا ہؤا تھا ڈال دیا :۔

ہم اپنے گھوڑوں پر سے اُتر پڑے تھے اور اِس بات پر شکر خدا کر رہے تھے کہ آفتاب قریب غروب اور روشنی رو بہ زوال ہوئی۔ فیل بان آہستہ آہستہ ہاتھی کو آگے بڑھاتا جاتا تھا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے دبکے ہوئے چپ چاپ چلے جاتے تھے۔ چونکہ فیل بان ایک ہندوستانی آدمی تھا اس لئے کوئی اس سے تعرض نہ کرتا تھا اور ہم شرِ اعدا سے محفوظ تھے۔ جس انگریز تاجر کے ہاں ہم کو پناہ گزین ہونا تھا۔ اُس کا پتہ فیلبان کو پہلے سے بتا دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اُسی طرف بغیر ہم سے بات چیت کئے چلا جاتا تھا :۔

دو تین بار میرے دل میں آیا کہ وِیل کو ہاتھی کے ہودج میں بٹھا دوں کیونکہ وہ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر سہما جاتا تھا اور میں بھی گود میں لئے لئے تھک گئی تھی۔ لیکن وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ میری گردن میں ڈالے اِس طرح چمٹا ہوا تھا کہ میرے دِل نے جُدا کرنا گوارا نہ کیا ❖

جس قدر ہندوستانیوں کا شور وغل زیادہ ہوتا جاتا تھا اُسی قدر ہم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوتی جاتی تھی۔ کچھ ہی دُور گئے تھے کہ ناگاہ دُور سے بہت سی مشعلیں جن کی روشنی سے رات دن کی مانند بن رہی تھی دکھلائی دیں اور اِن کے پیچھے ایک غول ہندوستانیوں کا کالے سروں پر بڑے بڑے عمامے باندھے شور مچاتا اور انگریزوں کو نامزا الفاظ کہتا چلا آتا تھا۔ ہم لوگ ایک گوشے میں ہو رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی نگاہ نہ پڑی اور ہم صاف بچ گئے ❖

قلعہ سلیم غوری کے نزدیک پہنچ کر دیکھا کہ توپچی توپوں کو بھرے۔ فتیلے جلائے منتظر بیٹھے تھے کہ جس وقت بلوائیوں پر سر کرنے کا حکم ہو فوراً توپوں کو فتیلا دکھا دیں۔ لیکن افسوس چونکہ وُہ سب ہندوستانی تھے اور دل میں ہم انگریزوں سے جلتے تھے۔ حکومت کا رنگ بگڑتا دیکھ کر سب کے سب خدمت سے دست بردار ہو گئے اور بجائے حمایت کرنے اور بلوائیوں کو روکنے

کے خود خون کے پیاسے بن گئے۔ توپوں کا داغنا کیسا۔ فتیلوں کو خندق میں ڈال جنگی ہتھیار لے بھاگے اور فرقہ باغی میں جا ملے ؂

بلوائیوں نے جب قلعہ والی فوج کو اپنا مددگار پایا تو اُن کی ہمّتیں اور بھی بڑھ گئیں۔ سب نے خوش ہو کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا اور خوشی کے نعرے بلند کئے ؂

سڑکوں پر لوگ جا بجا غٹا غٹ بھرے پڑے تھے کسی طرف جانے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ ہم ابھی تک شہر میں داخل نہ ہوئے تھے بیرونی راہ سے گذر رہے تھے۔ فیل بان ہاتھی کو بہت ہی آہستہ آہستہ ہانک رہا تھا۔ اگر اس وقت ذرا سی ہمت کر کے بلوائیوں کے مجمع کو چیرتا پھاڑتا نکل جاتا تو چند ہی قدم کے بعد ہم شہر کے اندر داخل ہو کر بلوائیوں کے شر سے کسی جگہ مطمئن ہو جاتے ؂

خدا خدا کر کے بڑی دقت سے رستے چلتے دروازہ شہر کے نیچے پہنچے۔ چاہتے تھے کہ اندر داخل ہوں کہ اندر کے ایک غول نے باہر جانے کے لئے ایسا ریلا دیا کہ ہم مثل اس خس و خاشاک کے جس کو دریا کا تموّج دم بھر میں کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ گزوں دروازے سے دُور ہو گئے ؂

فیل بان نے پھر کوشش کر کے ہاتھی کو بڑھانا چاہا۔ لیکن یکایک کچھ ایسی گڑبڑ مچ گئی کہ پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اندر اور باہر کے لوگوں میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ باہر سے توپوں کے دغنے کی آواز

اندر سے بندوقوں کے فیر کی صدا - فریاد و غوغا کا شور ایسا پیدا ہوا
کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی - وہ مقام اس وقت قیامت
کا میدان بنا ہوا تھا - کسی کو کسی کی خبر نہ تھی ؎

ہم اس وقت خوش قسمتی سے ایک اندر جانے والے بڑے
گروہ کے پیچھے ہو گئے - جو مجمع کو زبردستی چیرتا پھاڑتا - ریلتا پیلتا
بہ ہزار خرابی شہر کے اندر داخل ہو گیا - دروازے سے پچاس ساٹھ گز
آگے تک یہی کشمکش اور دھکم دھکا تھا - جب کوئی زور کا ریلا
اِدھر سے اُدھر آتا تھا تو کئی کئی قدم بے قابو ہو کر ہٹ جاتے تھے -
یہ حالت برابر اس وقت تک رہی - جب تک کہ ہم دروازے
کے سامنے والے کھلے میدان میں نہ پہنچے ؎

وہیں ہم کو پتہ چلا کہ جس فوجی گروہ کے پیچھے ہم یہاں تک پہنچے
یہ وہی شکست خوردہ فوج تھی - جو جنرل گرو کی ماتحتی میں میرٹھ کے
بلوائیوں سے شکست کھا کر بھاگی تھی - جیسے ہی جنرل گرو شہر کے
دروازے میں داخل ہوا - پل کے تختے اُٹھانے اور شہر کی راہ بند
کر دینے کا حکم دیا گیا - ابھی اس کے حکم کی تعمیل نہ ہونے پائی تھی
کہ باغیوں نے پل سے اُتر دروازے پر اپنا قبضہ کر لیا - جب دروازہ
ان کے ہاتھ میں آ گیا تو شہر دہلی جو سلاطین گورگانیہ کا پایہ تخت تھا
اِن کے قبضہ سے کب بچ سکتا تھا - میں شہر دہلی کے بلوائیوں کے
قبضے کی حالت کو بالتفصیل نہیں بیان کرتی - کیونکہ میرا مقصد تو اپنی

آپ بیتی لکھنا ہے نہ جگ بیتی ٭
ناظرین! میرا مولد انگلستان نہیں ہے میں ایک فرانسیسی خاتون ہوں - لیکن میرا شوہر چونکہ انگریز ہے اور اس سے میرے دو بچے ہیں لہذا میں اپنے کو انگلش لیڈی ہی مانتی ہوں ٭
کاش تمام انگریزی جھنڈے ہندوستان میں سرنگوں ہوتے کاش دنیا کی تمام انگریزی فوجیں فنا ہو جاتیں - اس سلطنت کی تمام ثروت و قوت ضعف و ذلت سے بدل جاتی - مگر میرے شوہر اور اولاد کی جان سلامت رہتی - اور میں بدبخت اس روز بد کا مُنہ نہ دیکھتی - یہ میری مجنونانہ بڑ نہیں یہ غفلت و بیہوشی کی تقریر نہیں یہ ٹوٹے دل کی صدا ہے یہ زخمی جگر کی آہ ہے یہ ایک فلک ستائی آفت کی ماری، سوختہ دل - سوختہ جگر بیوہ کے نالے ہیں جو قیامت تک سننے والوں کے دل ہلائیں گے - دنیا کی عورتیں جب میری اِس دردناک سرگذشت کو سُن کر میری پُرحسرت و اندوہ زندگی کا تصوّر کریں گی تو یقیناً دُنیا اور لذّاتِ دُنیا سے اُن کا دل کھٹّا ہو جائیگا
پیاری بہنو! مہربان دوستو! یہاں کا عیش - یہاں کی لذّت - یہاں کی عزّت، یہاں کی حکومت محض ایک دھوکا ہے - فقط ایک شعبدہ ہے - جس کی کوئی اصل نہیں - جس کے لئے کسی قسم کا اثبات و قرار نہیں ٭
معزز بہنو! میں ایک بدبخت کنبہ موئی گو نام کو جیتی ہوں مگر

یہ وُہ زندگی ہے جس پر موت کو ترجیح ہے - یہ وُہ زلیست ہے
جس سے مرگ بہتر ہے - ے

کیا مزا ہے زلیست کا جب کوئی پرستار نہ ہو
گھر وہ ہے قبر سے بدتر جہاں دلدار نہ ہو

ہائے کہاں سے ان صورتوں کو ڈھونڈ کر لاؤں - کہاں سے
وُہ بھولی بھالی موہنی مورتیں پاؤں - جن کو دیکھ کر میں باغ باغ ہوتی
تھی - جن کے دم سے غنچۂ دل شگفتہ تھا - جن کے باعث دُنیا میں
جینے کا مزہ تھا - آہ سب زمین کا پیوند ہو گئے - میں سیاہ بخت،
حرماں نصیب قیامت کے بورئیے اُٹھانے کو رہ گئی ے

ایسے جینے کا الٰہی نہیں ارمان مجھ کو
اب ستاتی ہے بہت گردشِ دوران مجھ کو

آمدم برسرِ مطلب - ہم لوگ فیلبان کے سہارے برابر راستہ
طے کرتے جاتے تھے اور خدا سے دُعا کر رہے تھے کہ کہیں جلدی سے
اس تاجر کا مکان آجائے - درمیان راہ میں ایک مرتبہ جو میری نگاہ
اپنے شوہر کے چہرے پر پڑی تو رنجیدگی کے آثار معلوم ہوئے ؛
بیں - اِس وقت آپ کے بشرے سے کسی قدر بد دلی اور گرفتگی
کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں ؟ میرا خیال درست ہے ؟
شوہر - بے شک تم سچ کہتی ہو ؛
بیں - کیا سبب ؟

شوہر۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی رائے کے مطابق عمل نہ کر سکے ؛

بیں۔ کیوں۔ خدا نخواستہ تم کو کس نے روکا ؟

شوہر۔ جب اپنی کوئی رائے دوسروں کی نظر میں موقر ہی نہیں تو اس کا ظاہر کرنا فضول ہے ؛

میں۔ یہ آج کیسی اُکھڑی اُکھڑی باتیں کر رہے ہیں۔ میں اس چیستان کو کیا سمجھوں۔ صاف صاف کہو۔ آخر اِس سے تمہارا مطلب کیا ہے ؟

شوہر۔ مطلب یہ ہے کہ اس موقعہ پر میرے تمہارے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے تم چاہتی ہو کہ میں بزدل بن کر کسی گھر میں چھپ رہوں اور جو کچھ ذلت ہو وہ برداشت کروں۔ اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہر غیرت مند انگریز کو وطن پرست۔ دولت پرست اور قوم پرست ہونا چاہیئے۔ جان فدا کر دے لیکن غیر ملک میں اپنے ناموس پر حرف نہ آنے دے ؛

میں۔ میں نے کب آپ کے اس خیال کی مخالفت کی۔ میں نے کب آپ کو ہم وطنوں کی حمایت کرنے سے روکا۔ جو کچھ آپ کا خیال ہے۔ اس کو ضرور پُورا کیجئے۔ مگر ہاں ہم بےکسوں کے کسی جگہ رہنے کا ٹھکانہ کرتے جایئے تاکہ بعد آپ کے دشمنوں کے ہاتھوں میں اسیر و ذلیل نہ ہوں ؛

شوہر۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اب تو جہاں کا ارادہ ہے وہاں پہنچنا ہے

خلاصہ یہ کہ ہم اپنے ہاتھی کے پیچھے پیچھے ہجوم خلائق کے درمیان سے گورمنٹ پارک کو طے کرتے ہوئے سینٹ جمیس گرجا کے پیچھے سے نکلے۔ اِس مسافت بعیدہ کو ہم نے اِس لئے گوارا کیا کہ قلعہ کے مقابل سے جہاں بلوائیوں کا مجمع تھا نہ گزریں ؁

جب ہم اس تاجر کے مکان پر پہنچے۔ جس کے مہمان ہونے کا ارادہ تھا تو مکان کو ہر طرف سے بند پایا۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ شاید کوئی نوکر چاکر ہو تو اس سے اطلاع کرائیں۔ وہاں کون تھا آدم نہ آدم زاد۔ چاروں طرف ایسا سکوت چھایا ہوا تھا گویا برسوں سے اِس مکان میں کوئی شخص رہتا ہی نہیں۔ میرے شوہر نے دروازہ کھٹکھٹایا لیکن صدائے برنخواست ؁

میں نہیں کہہ سکتی کہ اس تاجر نے جو میرے شوہر کا سچّا جاں نثار تھا۔ اِس وقتِ مصیبت میں ہم سے کیوں منہ چھپایا۔ آیا ہمارے پناہ دینے کو اس نے عار سمجھا یا کوئی خطرہ محسوس کیا یا خود غرضی کو کام میں لایا۔ اگر میرا خیال درست ہے تو پھر بتاؤ انسان دُنیا میں کس پر بھروسہ کرے ؟ دوست اِسی لئے ہوتے ہیں کہ بُرے میں کام آئیں نہ یہ کہ بُرے وقت میں مُنہ موڑ لیں ؁

فیل بان ہمارے اضطراب کو دیکھ کر ہاتھی سے اُترا اور چاروں طرف جستجو میں گھومنے لگا۔ میں نے شوہر سے کہا ۔" ایک بار اور کھٹکھٹاؤ۔ ممکن ہے کہ باغیوں کے خوف سے کسی گوشے میں جا چھپے

ہوں اور ہماری آواز نہ پہنچی ہو۔ شوہر نے میرے کہنے سے تیسری بار اس قدر زور سے جھنجھوڑا کہ چولیں تک ہل گئیں۔ اب کی بار ایک بوڑھی عورت نے کھڑکی سے سر نکالکر کہا :-

عورت - کس کو پکارتے ہو ؟

صاحب - تمہارا صاحب کہاں ہے ؟

عورت - صاحب اپنے دونو لڑکوں کے ساتھ ہتھیار لگا کر اس مقام پر گئے ہیں جہاں سب انگریز جمع ہیں ؛

صاحب - اور ان کی عورتیں کہاں ہیں ؟

عورت - ان سب کو محلے میں ایک ہندو شریف آدمی کے یہاں پہنچا دیا ہے۔ آپ لوگوں کو بھی زیادہ توقف نہ کرنا چاہیئے کیونکہ آج کی رات باغی اس محلے کو بلکہ ہر گھر کو ضرور لوٹنے آئیں گے ان کو پتہ چل گیا ہے کہ اس گھر میں بہت مال ہے ؛

اتنا کہہ کر اس عورت نے کھڑکی بند کر لی - اور ہم حیران اور پریشان کوچہ میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے ؛

میرے شوہر کا تو دلی ارادہ یہ تھا کہ کسی طرح اپنے کو ہموطنوں کے گروہ میں پہنچا دے اور ان کے ساتھ مل کر بلوائیوں سے جنگ وجدل کرے۔ لیکن بی بی اور بچوں کی محبت یہ گوارا نہ کرتی تھی کہ اس پرآشوب زمانے میں رات کے وقت ہم کو کسی گلی کوچہ میں تنہا چھوڑ کر چلا جائے ؛

اس وقت ہم کو بیحد افسوس ہؤا کہ گھوڑوں کو شہر سے باہر کیوں چھوڑ دیا اگر وہ ہوتے تو بات کہتے کشمیری دروازہ پر پہنچکر جنرل کرو کی فوج سے جا ملتے لیکن اب کہ کوئی سواری پاس نہیں کم از کم ایک گھنٹہ راہ طے کرنے کے لئے درکار ہے - ہم پیادہ چلنے سے نہیں گھبراتے تھے - ہم کو بندوقوں کی متواتر آواز - بلوائیوں کی چیخ پکار - گرفتاری کا خوف ایسا پریشان کر رہا تھا کہ دو قدم بھی چلنا دشوار تھا؛

دُور سے جو رہ رہ کر شور و غوغا بلند ہوتا تھا اس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ بلوائی غالب اور انگریز مغلوب ہیں - ہماری حالت اس وقت بہت نازک تھی کیونکہ کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا کہ اس کے گھر جا کر پناہ لیں - فیل بان جب دریافت کرتا تھا کہ اب کس طرف چلنے کا قصد ہے تو ہم لوگ خاموش ہو جاتے تھے - آہ وہاں کون ایسا تھا جو بے کسوں کے حال پر رحم کھا کر گھر میں پناہ دیتا؛

میری دختر جو مہرِ سکوت لب پر لگائے ہمارے ساتھ ساتھ تھی اور جس کا عزیز شوہر کی یاد میں حال غیر تھا - ایک مرتبہ غصے سے بولی :-

ایلن - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کوچہ میں کس غرض سے کھڑے ہیں ؟

پیش - بیٹا - پھر کہاں جائیں ؟ کس کا سہارا ڈھونڈیں ؟

ایلین - کسی کا سہارا ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی کیا ہے - ہتھیار خانے کی طرف کیوں نہیں چلتے؟

چونکہ ولیم ہتھیار خانے پر متعین تھا - اِس لئے ایلین چاہتی تھی کہ کسی صورت سے اپنے شوہر کے پاس پہنچ جائے ؛

میرا شوہر لڑکی کے اِس فقرے سے خوش ہو کر بولا "سچ تو کہتی ہے - اگر ہم وہاں پہنچ جائیں گے تو ضرور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں گے - چلو - بس سیدھے وہیں کو چلو" ؛

ابھی تاجر کے کوچے سے قدم نہ نکالا تھا کہ دو عظیم مہلکوں میں گرفتار ہو گئے - یعنی پشت کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ بلوائیوں کا ایک گروہ مشعلیں جلائے بندوقوں پر سنگین چڑھائے دوڑتا چلا آتا ہے اور دہلی کے سابق بوڑھے بادشاہ کی تخت نشینی کے متعلق گفتگو ہوتی آتی ہے ادھر مُنہ پھرا سامنے نظر ڈالی تو شہر کے بدمعاشوں کا ایک بہت بڑا گروہ باغیوں کی جماعت سے ملحق ہونے کے لئے آرہا تھا تاکہ سب مجتمع ہو کر فرنگیوں کے قتل و غارت میں حصہ لیں ؛

اگر اس وقت ہاتھی ہمارے سامنے نہ ہوتا تو بے شبہ ہم اِن دونوں گروہوں کے درمیان آکر پس جاتے - دور تک ہم ہاتھی ہی کی آڑ میں آہستہ آہستہ چلتے رہے اتفاقاً داہنی جانب ایک بڑا اپھاٹک نظر پڑا - ہم اُس کے اندر داخل ہو کر روپوش

ہو گئے ؂

یہ دونو گروہ باہم محل شاہی کی طرف روانہ ہوئے اور ہم سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ بعض نشانات سے میں نے یہ معلوم کیا کہ یہ میرٹھ کے باغیوں کی نمبر ۲۰ والی ہندوستانی پلٹن تھی۔ جو اپنے انگریز سرداروں کے سروں کو سنگینوں پر چڑھائے لئے جاتی تھی ؂

جب یہ لوگ بہت دور نکل گئے تو ہم اس پھاٹک سے نکل کر پھر سلح خانہ کی طرف اِس صورت سے روانہ ہوئے کہ میرا شوہر ایلن کا بازو پکڑے آگے آگے اور میں ڈیل کو چھاتی سے لگائے اس کے پیچھے۔ میرے عقب میں ہماری وفادار خادمہ ڈیل کی دائی تھی۔ شاہی باغ کی دیوار سے ملے ملے ہم تیزی کے ساتھ چلے جاتے تھے کہ ایک اَور بلا سر پر آئی۔ جامع مسجد سے متصل جس کوچہ سے ہم گذرنا چاہتے تھے۔ اُس میں خلایق کا اژدحام نظر آیا۔

باوجودیکہ باغی لوگ جابجا سے زخمی تھے۔ کوچہ میں داخل ہو کر دلیرانہ حملہ کر رہے تھے۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ اس جنگ کا باعث یہ ہے کہ جامع مسجد پر گوروں کا رسالہ بندوقیں لئے بیٹھا تھا۔ جو باغی سپاہی ادھر سے گذرتا تھا۔ اسے گولی ماردی جاتی تھی۔ ان لوگوں کو اِس عملدرآمد پر سخت غصہ آیا اور سب نے مِل کر دلیرانہ حملہ کیا۔ مقصد اُن کا یہ تھا کہ گوروں کو جامع مسجد سے ہٹا کر خود قابض ہو جائیں مسجد کے اطراف وجوانب میں جو انگریزوں کے مکانات

تھے۔ ہندوستانیوں نے اِن میں آگ لگا دی تھی اور جو جس کے ہاتھ لگتا تھا لئے چلا جاتا تھا۔ اِن لوگوں میں ہمیں ایک جماعت ایسی بھی نظر آئی جن کے چہرے نہایت خونخوار۔ صورتیں نہایت وحشیانہ، حرکات نہایت نامہذب تھیں۔ ہندوستان میں ہمارا قیام بیس سال سے تھا لیکن آج تک ایسی خوفناک صورتیں نہ دیکھی تھیں۔ یہ دیو زاد درندہ صفت جلتے گھروں میں کُود پڑتے تھے اور جلتی ہوئی لکڑیاں یا تختے کھینچ کر دوسرے گھروں کو آگ لگانے کے لئے ڈال دیتے تھے۔ اِسی ترکیب سے وہ برابر مکان پھُونکتے چلے جاتے تھے۔ بدقسمتی سے ہوا بھی بہت زور سے تیز تھی۔ گزوں اُونچی لپٹیں اٹھتی تھیں اور اُونچی اُونچی عمارتوں کو خاک میں ملاتی چلی جاتی تھیں ؂

خلاصہ یہ کہ باغیوں کی جماعت کوچہ کے دونوں طرف موجود تھی اور ہم ان کے بیچوں بیچ بے یارومددگار۔ حسنِ اتفاق سے میری نظر ایک مکان کے دروازے پر جا پڑی۔ جس کے اندر باغی گھستے ہوئے مال واسباب لوٹ رہے تھے۔ ایسی حالت میں اُس طرف رُخ کرنے کی جرأت تو نہ ہوسکتی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ اُس کے گوشے نہایت تیرہ و تار ہیں۔ میں نے شوہر اور لڑکی کو اشارہ کیا کہ چلو ہم تھوڑی دیر یہاں چھپ رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی نے ہم کو وہاں جاتے ہوئے نہ دیکھا اور ہم دروازے کے ایک گوشے میں پنہاں ہو گئے ؂

فیل بان کو جو کوچہ کے کنارے تک ہمارے ساتھ ساتھ تھا -
اِس خیال سے دُوسری جانب چلا گیا کہ اسے ہاتھی کو آگے بڑھا لے
کا موقعہ نہ مِلتا تھا - وِیل جو میری گود میں دیر سے سو رہا تھا باغیوں
کے شور و غُل سے جاگ اُٹھا - اور ڈر کر رونے لگا - اس کی آواز
بلند ہوتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے - سمجھی کہ اس کی آواز سُن کر
سب کے سب یہاں آگھسیں گے اور ہم کو بغیر قتل کئے نہ چھوڑینگے
ہر چند میں اس کو چمکارتی تھی - دبی آواز سے لوریاں دیتی تھی - مگر وُہ
کب چُپ ہونے والا تھا - بچے بیچارے کو کیا معلوم کہ بدنصیب ماں
باپ کس حال میں ہیں ؟ خدا کا بڑا فضل ہؤا کہ وُہ تھوڑی دیر رو
کر خاموش ہو رہا ورنہ قتل ہو جانے میں شک ہی کیا تھا ؂

تیسرا حادثہ

الٰہی کس بے گنہ کو مارا سمجھ کے قاتل نے کشتنی نے
کہ آج کوچہ میں اُس کے شور بای ذنب قُتلتنی ہے

جس دروازے میں ہم روپوش تھے - وُہ دہلی کے ایک
متمول انگریز کا مکان تھا - لیکن اس میں نہ صاحب خانہ کا پتہ تھا
نہ کسی ملازم کا - ہندوستانیوں کی ایک جماعت اوپر نیچے کمروں میں
بلیوں اور بندروں کی طرح دوڑتی پھرتی تھی - مکان کی تمام کھڑکیاں

اور آئینے توڑ توڑ کر زمین پر پھینک دئے تھے۔ پردے اُتار ڈالے تھے۔ کرسیاں، میزیں اور دوسرا سامان چوبی گھر میں لا کر صحن میں اکٹھا کر دیا تھا۔ گویا وہ اپنے قواعد مذہبی کے مطابق کسی مردہ کو یا مردہ شوہر کے ساتھ بیوی کو جلانے والے تھے ؛

بعض لوگ برہنہ شمشیریں اور خنجر ہاتھوں میں لئے تہ خانوں اور کمروں میں گھوم رہے تھے ؛

جس طرح شکاری کتّے جب کسی شکار پر چھوڑے جاتے ہیں اور اس کو پکڑ لینے کے بعد اپنے تیز اور نوکیلے دانت غریب جانوروں کی کھال میں کچھو دیتے ہیں تو وہ عاجزانہ آواز بلند کرتا ہے اسی طرح یہ ہندوستانی بھی شکار کی جستجو میں چاروں طرف پھر رہے تھے اور اپنے آبدار خنجروں اور زہر آلود تلواروں سے ہمارے ہم وطنوں کا خون بہاتے تھے۔ چنانچہ اکثر مقتولوں اور زخمیوں کی دردناک آوازیں بھی ہمارے کان میں آجاتی تھیں ؛

ہم اپنے مکان سے ان لوگوں کی خونریزی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور ہر وقت دل کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ جس وقت یہ لوگ باہر نکلیں گے تو لامحالہ اسی دروازہ سے گذریں گے۔ اگر خدانخواستہ کسی کی نظر ہم پر پڑ گئی۔ تو ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ میں نے اپنے شوہر سے آہستہ سے کہا کہ اب یہاں سے کسی دوسری طرف کھسک جانا چاہیئے۔ عنقریب یہ لوگ اپنا کام کر کے باہر نکلنے والے ہیں، چنانچہ

اِس رائے کے موافق ہم دروازے سے آہستہ آہستہ نکل کر صحن کے ایک گوشے میں چلے گئے۔ جہاں درختوں کی کثرت سے خوب تاریکی ہو رہی تھی ؂

اتفاق کی بات اسی جگہ کے پاس جہاں ہم پوشیدہ تھے۔ ایک راستہ تہ خانے کو تھا۔ یکایک وہاں سے ہائے ہائے کے ساتھ کچھ بات چیت کی آواز آئی۔ دو چار تمنچوں کے فیر بھی ہوئے۔ تھوڑی دیر میں زمین کے نیچے سے کچھ روشنی سی نمودار ہوئی اور ساتھ ہی چند ستم رسیدہ انگریز ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھے۔ جو آواز پے درپے ہمارے کانوں میں پے درپے نالہ و فریاد کی آرہی تھی وہ انہیں نوگرفتاروں کی تھی ؂

مشکل سے دو تین منٹ گذرے ہوں گے کہ باغی ایک مرد بالا قامت کو کشاں کشاں زمین کے نیچے سے لئے ہوئے نکلے۔ اور اس آگ کے ڈھیر کے پاس جو انہوں نے صحن خانے میں پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ لے گئے۔ یہ بیچارہ دہلی کے بڑے نامور انگریزوں میں سے تھا۔ میں سمجھی تھی کہ اوّل اِس کو مار ڈالیں گے۔ پھر لاش کو آگ میں پھونک دیں گے۔ مگر ان سخت دلوں نے ان کو زندہ ہی آگ میں ڈالدیا اور گرداگرد تلواریں اور خنجر کھینچ کر کھڑے ہو گئے جب وہ بیچارہ شعلوں سے بچ کر بھاگنا چاہتا تھا۔ خنجر کی نوکوں سے اور تلواروں کی دھاروں سے چرکے دے دے کر پیچھے کو لوٹا دیتے تھے وہ بھی ایسا غیرت مند نوجوان تھا کہ دو تین بار تو رہائی کی

کوشش کی۔ پھر خاموش ہو رہا اور دشمنوں سے کسی قسم کی التجا نہ کی۔ البتہ ہاتھ اُٹھا کر اس جانکنی کے عالم میں کچھ خدا سے دُعا مانگی اور جھلس کر رہ گیا ٭

میں نے اس وقت اپنے منہ میں رومال بھر لیا تھا کہ مبادا اِس جانکاہ منظر مشاہدہ شدت و دہشت سے فریاد بلند کرا دے اور وُہ وحشی بے رحم ہم پر ٹوٹ پڑیں اور اِسی طرح آگ کا ایندھن بنا دیں ٭

میں نے ہندوستانیوں کی باہمی گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ جلنے والا جوانمرد ایک شریف النسل انگریز تھا اور دہلی اور اودھ میں چیف جج رہ چکا تھا۔ جب یہ جج بیچارہ خاکستر ہو چکا تو تھوڑے تھوڑے لوگ گھر سے نکلنے لگے۔ ہم حیران تھے کہ کس کو اپنا رہنما بنا کر کسی کم خطر راستے میں قلعہ وارک میں جو انگریزوں کا جائے پناہ تھا۔ چلے جائیں۔ اگر ہم چاہتے کہ پھر اِسی کوچہ سے براہِ راست قلعہ مذکور کو روانہ ہوں تو لامحالہ جامع مسجد کی طرف سے گذرنا ہوتا اور وہاں بلوائیوں کا بڑا اجماؤ تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ صحیح سلامت نکل جاتے؟

میرے شوہر کی رائے ہوئی کہ اس گھر میں اس وقت تک قیام کرنا چاہئے کہ فیل بان ہمارا تحفظ کرتا ہوا یہاں تک پہنچ جائے وُہ صرف ہجوم کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ اب چونکہ کوچہ خالی ہو چلا ہے ممکن ہے کہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا آ پہنچے۔ یہ رائے بہت مناسب

تھی اَور قابلِ تسلیم۔ کیونکہ ہندوستانی اِس گھر کو اچھی طرح تاراج کر چکے تھے۔ اب کوئی چیز باقی نہ رہی تھی کہ ان کے دوبارہ آنے کا شبہ پیدا ہوتا۔ غرض کہ ہم وہیں رُک گئے ؟

ہندوستان کی راتیں بہ نسبت دِنوں کے زیادہ سرد ہوتی ہیں۔ ہم باوجودیکہ اِس آگ کے کنارے بیٹھے تھے۔ جس میں غریب جج جلایا گیا تھا۔ تاہم سردی سے جسم کانپ رہا تھا۔ میرے شوہر نے کہا۔ بہتر ہو اگر ہم کسی کمرے میں چلے چلیں۔ میں نے کہا بہتر ہے + ہم لوگ ایک زینے کے ذریعے سے اُوپر والے کمرے میں گئے۔ چند کمرے اور دالان جو اُوپر کے حصّے میں تھے۔ ان سب میں پھر کر ہم نے دیکھا۔ سارا سامان لوٹ کر باغی لے گئے تھے اور جو چیزیں نقل وحرکت کے قابل نہ تھیں۔ اُن کو یا تو توڑ پھوڑ کر ڈالدیا تھا۔ یا جلا کر خاک کر دیا تھا ؟

سب سے آخر والے کمرے میں البتہ ایک بستر بچھا تھا جس کو دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی۔ فوراً ویل کو اپنی گود سے اُتار کر اُس پر لٹا دیا۔ اور دایہ کو تاکید کی کہ اس کے پاس سے کہیں نہ جائے۔ جب اس طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو ہم تینوں ایک شمع کا ٹکڑا روشن کر کے اس تہ خانہ کی طرف چلے۔ جس سے جج بیچارے کو نکالا تھا تاکہ یہ تحقیق کریں کہ ہمارے کانوں میں بہم دردناک نالے کن برگشتہ نصیبوں کے آرہے ہیں۔ ہم نے یہ قرار دے لیا تھا کہ جن میں رمقِ جان باقی

رہ گئی ہوگی - اس کی پرستاری اور تیمارداری میں حتی الامکان فروگذاشت نہ کریں گے ؟

خلاصہ یہ کہ ہم تہ خانہ میں داخل ہوئے - دو قدم نہ چلے تھے کہ تینوں کے پاؤں زمین پر رپٹنے لگے - دل میں سوچا - نہ معلوم یہ کبیسوں کا خون زمین پر بہایا گیا ہے یا شراب کے مٹکے توڑ ڈالے ہیں - ذرا اور آگے بڑھے کہ میرا پیر ایسا پھسلا کہ اگر ایلین بازو نہ پکڑے تو چاروں شانے چت جا رہوں - میں نے سنبھل کر دیوار کے سہارے سے چلنا چاہا - ہاتھ جو رکھا تو دیوار پر غلیظ رطوبت معلوم ہوئی - جس سے تمام ہاتھ بھر گیا ؟

میں - ایلین ذرا شمع اِدھر لانا ؟

ایلین - کیوں اماں جان خیر ہے ؟

میں - نہ معلوم دیوار پر کیا گاڑھی گاڑھی چیز لگی ہوئی ہے - میرا سارا ہاتھ بھر گیا ؟

ایلین (قریب آکر) اُف اماں جان یہ تو خون ہے !

میں - ہے ہے کیا غضب آگیا - دکھانا - ذرا میں دیکھوں ؟

ایلین - زمین کیا دیکھتی ہو - یہاں تو خون کی کیچڑ ہو رہی ہے میں تو پہلے ہی سمجھی تھی کہ ضرور ہم اپنے ہم وطنوں کے خون پر چل رہے ہیں

شوہر - اُف - ان سخت دل ہندوستانیوں کے ہاتھ کیسے کیسے مظالم اُٹھا رہے ہیں - ہائے ہائے نہ معلوم - کمبختوں نے کیسے کیسے لوگوں

کو تہ تیغ کیا ہے ❖
میں - ذرا آگے بڑھ کر دیکھو تو - کوئی زندہ بھی ہے یا سب نذرِ اجل ہو گئے ہیں ❖
ایلین - امّاں جان - ذرا دیکھنا - اِس گوشے میں کس چیز کا ڈھیر ہے تاریکی کی وجہ سے پوری طرح نظر نہیں آتا ❖
میں - (قریب جا کر) اُف یہ تو سروں اور ہاتھ پیروں کا ڈھیر ہے یا اللہ تیری پناہ! اے میرے مالک - تو ہی حافظ و نگہبان ہے ❖
شوہر - دیکھنا - ابھی بعض بعض عضو تو ٹھنڈے بھی نہیں ہوئے۔ کٹے اعضا سے اب تک خون نکل رہا ہے ❖

ہم حالت کو دیکھتے ہی آنسو بہاتے آگے کو بڑھے جاتے تھے کہ شاید اِن میں کوئی زندہ ہو کہ یکایک ہماری نگاہ ایک لاش پر پڑی - جس کا سر تن سے جُدا ہو گیا تھا - مگر دل سینے میں تڑپ رہا تھا - مگر ضعیف آواز کٹے حلق سے نکل رہی تھی - یہ کیفیت دیکھ کر ایلین نے ایک چیخ ماری اور منہ پر رومال کر کے رونے لگی - میں نے چھاتی سے لگا کر تسلّی و دلاسا دیا اور وہاں سے آگے کو بڑھے ایک جگہ چند مرد اکٹھے پائے - ہم نے ایک ایک کر کے سب کو ہاتھ سے ٹٹولا - کہ کسی میں کچھ جان باقی ہے یا نہیں - بعض کو دیکھا کہ جان کنی کے عالم میں ہیں - فوراً میں نے اور شوہر نے اُٹھا کر اُنکو مُردوں سے جدا کیا اور ہموار زمین پر لٹا دیا کہ کسی قدر تو اس آخری وقت میں اِن

ستم رسیدوں کو آرام مِل جائے ؎

انہیں مقتولوں اور مجروحوں میں ہم نے دو عورتوں اور ایک لڑکے کو پایا۔ کہ جن کے زخم بہت زیادہ گہرے نہ تھے اور زندگی کی اُمید تھی۔ میں نے شوہر سے کہا کہ کسی طرح ان کو اُوپر لے جانا چاہیئے۔ شاید یہ ہماری خدمت سے بچ جائیں۔ اُس نے کہا:۔ ہاں بہتر ہو۔ اچھا۔ میں ایک کو اِن میں سے گود میں اُٹھا کر اُوپر لئے جاتا ہوں۔ جوں ہی اس نے چاہا کہ ایک عورت کو گود میں اُٹھائے وُہ بیچاری درد و سوزش سے ایسی چلّائی کہ اُس کی آواز دُور تک پہنچی ہوگی۔ ہم لوگ اس کے چیخنے سے ڈر گئے کہ مبادا دشمن آواز سُن کر آ جائیں اور ہم کو قتل کر ڈالیں ؎

اس عورت نے ہم کو مہربان پا کر چاہا کہ بغیر ہماری مدد کے اُٹھ بیٹھے لیکن شدّت ضعف سے زمین پر گر پڑی۔ میں نے قریب جا کر سہارا دینا چاہا۔ دیکھا کہ باغیوں نے اس کا ہاتھ کلائی سے جُدا کر دیا ہے ؎

صرف اِن میں ایک چار سالہ لڑکا تھا۔ جس کا جسم زخموں سے محفوظ تھا۔ جوں ہی اُس نے ہم کو آتا دیکھا۔ بھاگ کر کشتوں کے درمیان چھُپ گیا۔ ایلین نے اس کو انگریزی زبان میں تسلّی و تشفّی دی تو ہم کو اپنا ہم وطن سمجھ کر کشتوں کے درمیان سے نکلا اور ایلین کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کو پیار سے چُومنے

اور عاجزانہ حرکتیں کرنے لگا - اس بچّے کی یہ حالت دیکھ کر میں بے چین ہوگئی - اور اس کو چھاتی سے لگا کر دیر تک پیار کرتی رہی
اِسی اثنا میں مکان کے صحن سے ہاتھی کے چنگاڑنے کی آواز ہمارے کان میں آئی - ہم نے سمجھ لیا کہ ہمارا فیل بان آ پہنچا - چونکہ اِس انقلاب و شورش میں ہم انگریز اِن ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے بہت ذلیل و خوار ہوئے تھے - اِس لئے یہ اُمید نہ تھی کہ ہمارا فیلبان وفاداری سے پیش آئے گا - ہاتھی کی آواز سنتے ہی ہم فوراً باہر نکل آئے اور فیل بان سے مِل کر نہایت مسرّت و شادمانی کا اظہار کیا - اس مرد باوفا نے بھی اپنی خوشی کا ثبوت دیا - اس شخص کا نام محمّد تھا - ایک عرصے سے ہمارے یہاں ملازم تھا - حق پوشی ہوگی اگر ہم اس بات کا اقرار نہ کریں کہ اس خاص موقعہ پر اس نے بڑی جوانمردی اور انسانیت سے کام لیا - اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا :-

فیل بان - میں اِتنی دیر جو آپ لوگوں سے جُدا رہا - اِس سے مقصود یہ نہ تھا کہ آپ لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤں بلکہ مجبوراً میں نے ایسا کیا - کیونکہ کوچہ میں اس قدر کثرت سے لوگ جمع تھے - کہ کسی طرح ہاتھی کو آگے بڑھانا ممکن ہی نہ تھا - اب چونکہ راستہ صاف ہوگیا ہے - میں ہاتھی کو لئے ہوئے آ پہنچا ؞

میں - محمد - تمہاری وفاشعاری اور حق شناسی قابل شکریہ ہے

ہم کو کسی وقت تمہاری طرف سے بدگمانی نہیں ہو سکتی - اچھا یہ بتاؤ۔ یہاں تم کیونکر پہنچے - کیا کسی سے پتہ چل گیا تھا ؟

فیلبان - خدا نہ کرے کہ کسی دوسرے کو آپ کا حال معلوم ہو - میں نے قیافہ سے یہ سمجھا کہ تم لوگ اسی گھر میں ہو گے کیونکہ اگر یہاں سے نکلتے تو میری نظر ضرور پڑتی ؀

ہم نے تمام مفصل حال شہر - بلوائیوں اور اپنے ہم وطنوں کا اس سے دریافت کرنا شروع کیا ؀

فیلبان - میم صاحبہ - شہر کی کیا حالت پوچھتی ہو - عجب طوفان بے تمیزی برپا ہے - شہر دہلی بالکل باغیوں کے قبضہ میں ہے تمام لوگوں نے بالاتفاق سابق بادشاہ کو جو ایک مرد پیر اور گوشہ نشین ہے سلطنت ہندوستان کے واسطے منتخب کر لیا ہے ؀

دہلی کے تمام متمول انگریزوں کے گھر لوٹ لئے گئے جس انگریز کو مرد ہو یا عورت - بچہ ہو یا بوڑھا جہاں پاتے ہیں قتل کر دیتے ہیں - دہلی چھاؤنی کی گورا پلٹن جو ہتھیار خانہ میں پناہ گزین تھی منتشر ہو گئی اب صرف بارود خانہ انگریزوں کے قبضہ میں ہے اور کابلی دروازہ ؀

فیل بان کی اس تقریر نے ہم کو اور بھی وحشت میں ڈال دیا - اُف - کیسا بُرا وقت ہم پر آ گیا تھا - جس طرف کو آنکھ اُٹھا کر دیکھتے تھے بجز دشمنوں کے کوئی دوست نظر ہی نہ آتا تھا - برگشتہ نصیبی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ رہنے کا مقام ؀

ملس (نیلبان سے) کیوں محمد! یہ بھی معلوم ہُوا کہ جنرل کرو کہاں ہے؟
محمد - جنرل کرو کابلی دروازہ کے آس پاس ہی ہے۔ بہت سے صاحب اور میمیں اس کی پناہ میں آگئی ہیں ÷
ایلین - کیا اچھا ہوتا اگر ہم لوگ بھی وہیں پہنچ جاتے ÷
ملس - بیٹی - ایسی قسمت کہاں - مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی گلی کوچہ میں کتے کوؤں کی موت مرکر رہ جائیں گے ÷
محمد - میم صاحب گھبرائیے نہیں - خدا مالک ہے ÷
ملس - محمد - تمہاری کیا رائے ہے - ہم کو یہیں رہنا چاہیئے یا کوئی دوسرا مقام تلاش کریں ÷
محمد - میری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ اس وقت ظلمتِ شب کو غنیمت سمجھ کر یہاں سے نکل چلیں ÷
ملس - تمہارا خیال درست ہے لیکن جائیں کہاں - اگر ہم اپنے ہم وطنوں کے گھر جاتے ہیں تو خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور اگر یہیں رہتے ہیں تو صبح ہونے والی ہے - یہ گھر مسلمانوں کی مسجد کے بالکل قریب ہے - یہاں کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے - ہندوستانیوں میں کوئی ہمارا ایسا خیر خواہ نہیں کہ دو چار روز اپنے گھر میں پناہ دے ÷
محمد - آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں - میں اپنے ہم مذہب ایک نیک اندیش مسلمان دوست کے یہاں لئے چلتا ہوں - اور تو کوئی ڈر نہیں - صرف اتنی بات ہے کہ چونکہ وہ ایک راسخ الاعتقاد مسلمان

ہے۔ بہت ممکن ہے کہ دُوسرے مسلمانوں کی تقلید میں پناہ دینے سے انکار کر جائے۔ اِس کی بہتر صورت میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ تم لوگ اس طریقے سے اس کے مکان میں داخل ہو جاؤ کہ اُسے اطلاع نہ ہو پس پھر وہ تمہارے لئے ایک محکم قلعہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا قاعدہ ہے کہ جو شخص ان کے گھر میں مہمان کی حیثیت سے آجاتا ہے۔ خواہ طلب سے یا بے طلب۔ وُہ اپنے رسول کے حکم کے مطابق اس کی دلجوئی اور عیش رسانی شرائطِ ایمان سے جانتے ہیں خاصکر ان مہمانوں کی جو پناہ کے طالب ہوں خواہ وہ کسی مذہب و ملّت کے ہوں۔ کسی خیال کے۔ وہ ان کو اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے اور مظلوم کی دستگیری فرض دینی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کی حمایت میں جان بھی کام آجائے تو دریغ نہیں کرتے ؀

مِس۔ محمد۔ اگر یہ بات ہے تو کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچاؤ۔ کیا وہ اس وقت گھر ہوگا ؟

محمد۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت یقیناً تمام مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کے قتل کرنے میں مشغول ہوگا۔ اگر اس وقت وہاں پہنچ گئے تو اس کی غیبت میں سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ نہ معلوم اُس نے اجازت دی یا نہ دی ؀

مِس ۔ محمد۔ تم کو اس کی ذات پر بھروسہ بھی ہے۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ ہمارے ساتھ دغا کر جائے ؀

محمد۔ بیگم صاحبہ۔ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ مجھے اس کی ذات پر بڑا بھروسہ ہے۔ صرف اُس کے گھر میں داخل ہونا ہی دشوار ہے۔ جب داخل ہو گئے تو پھر کس کی مجال ہے کہ لب ہلا سکے وہ اِس قسم کا آدمی نہیں۔ کہ تمہاری آمد کا حال باغیوں سے کہہ دے ؎

شوہر۔ (کچھ دیر تامل کر کے) دہلی کے اسلحہ خانہ کا کیا حال ہُوا؟ اور وُہ انگریزی فوجیں کہاں گئیں جو اس کی حفاظت پر مامور تھیں۔ کیا درحقیقت بلوائیوں نے ہتھیار خانے کو لے لیا اور محصورین قتل ہو گئے؟

محمد۔ صاحب مجھے جھوٹ بولنے سے کیا مطلب تھا۔ ہتھیار خانے میں اب ایک انگریز بھی نہیں۔ اب تو ایک بارود گھر انگریزوں کے قبضہ میں رہ گیا ہے اور بس ؎

ایلین (جھنجھلا کر) خدا کے واسطے اب تم لوگ کہیں جانے کا قصد نہ کرو۔ میرے کہنے سے سیدھا بارود خانہ پہنچو" ؎

ایلین کے اِس کہنے سے مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنے داماد کا تصور ہو گیا۔ ہائے اس بیچارے کا کیا حال ہو گا۔ خدا نہ کرے جو کوئی اپنی نئی نویلی دلھن سے جدا ہو کر اس طرح خطرے میں پڑ جائے ہزاروں حسرتیں اور ارمان دل میں لئے جان جوکھوں میں پڑا ہو گا۔ بار بار کوشش کی ہو گی کہ جلد سے جلد اپنی دلھن کے پاس پہنچے اور اس کی ملاقات سے دلِ غم دیدہ اور قلب آفت رسیدہ کو تسلی دے۔ لیکن جب ممکن نہ

ہوتا تو کیسا رہ رہ کر تڑپتا ہوگا ؛

فیلبان (ایلین سے) مِس صاحبہ۔ نہ تو تم وہاں جا سکتی ہو اور نہ میں وہاں جانے کی اجازت دونگا۔ کیونکہ بارودخانے کے تمام یورپین سرداروں کا یہ خیال ہے کہ ابتداءً تو خوب مقابلہ کریں گے جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئے گی تو خود اپنے ہاتھوں اس میں آگ لگا دیں گے تاکہ بارود کا ذخیرہ باغیوں کے ہاتھ نہ لگے۔ پس ایسی حالت میں وہاں جانے سے کیا فائدہ۔ انسان بُری صورت کو پہلے سوچ لے۔ اگر خدانخواستہ باغی غالب آگئے تو وہ لوگ ہندوستانیوں کے ہاتھوں ہرگز اسیر و ذلیل نہ ہوں گے۔ بلکہ اِسی آگ میں اپنے جسموں کو جھلسا کر خاک کر دیں گے۔ تو پھر بتاؤ وہاں کس کی پناہ ملے گی؟ یہ کلام سنتے ہی ایلین کا سارا بدن کانپنے لگا اور ایک چیخ مار کر زمین پر گری اور بیہوش ہو گئی۔ میں نے اور اس کے باپ نے جلدی اپنے دامنوں سے ہوا دی۔ کئی منٹ کے بعد اس کو ہوش آیا تو نہایت حسرت بھرے لہجہ میں دو تین بار بارودخانہ بارودخانہ کہا اور چپ ہو گئی۔ ٹھنڈے ٹھنڈے سانس برابر نکل رہے تھے۔ اور چہرہ پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ میں اور شوہر اُس کی اس پُرحسرت زندگی پر دیر تک روتے رہے۔ جس لڑکے کو ہم نے تہ خانہ سے نکالا تھا وہ ایلین کے پہلو میں کھڑا زار و نزار رو رہا تھا۔ جب اسی حالت میں کچھ زیادہ وقت گذرا تو فیل بان نے میرے شوہر کے پاس جا کر آہستہ سے کہا :۔

محمد صاحب - اب یہاں دیر کرنا فضول ہے۔ مس صاحبہ اگر ہوش میں ہوں تو بس چلئے ؛

شوہر - ایلین تو اب بالکل ٹھیک ہے مگر . . . . . .

محمد - مگر کیا - جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالئے ؛

شوہر - کہاں ! بارود خانہ یا اپنے دوست کے ہاں ؟

محمد - اپنے دوست کے یہاں ؛

میں (اُن دو زخمی عورتوں کی طرف اشارہ کر کے) محمد - یہ انسانیت سے بعید ہے کہ ان دو زخم رسیدوں کو یہاں تنہا چھوڑ کر ہم سلامتی کی اُمید میں چل کھڑے ہوں - یہ خدا کو ناپسند ہوگا ؛

میرے اِس کلام سے اوّل تو فیلبان کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا لیکن جب یہ دیکھا کہ میں اُن کی نجات کے لئے زیادہ مصر ہوں - تو آہستہ آہستہ دبی زبان میں کہنے لگا :-

محمد - خدا کی مرضی یہی ہے کہ تمام انگریز ہلاک ہوں ؛

یہ کہہ کر بادل ناخواستہ اس نے اُن عورتوں کو گودی میں لیکر ہاتھی کے ہودج میں بٹھا دیا - یہ عورتیں تہ خانہ میں تھیں - ابتدائً چونکہ اِنکے ہوش و حواس درست نہ تھے - ہم کو دشمن سمجھ کر وحشت و اضطراب سے فریاد کرتی رہیں - لیکن جب یہ معلوم ہؤا کہ ہم دوست ہیں تو ہم سے بہ منت و سماجت مخلصی کی درخواست کرنے لگیں - مجھے اِن کی بیکسی و بے بسی پر بڑا ترس آیا اور دل میں ٹھان لی کہ انکو ضرور نجات دلواؤنگی

اِن میں سے ایک عورت کے کٹے ہوئے ہاتھ سے برابر خون جاری تھا۔ ہم نے اس کا زخم خوب کس کر باندھا۔ جس سے خون رُک گیا اور درد میں بھی کمی ہوئی۔ میرے شوہر کے بازو پر تکیہ کئے تہ خانہ سے اُوپر آئی اور پھر ہم دونوں نے سہارا دے دے ہودج میں سوار کیا ؛

وُہ چار سالہ لڑکا کسی طرح ایلن سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اُس کو بھی بہ ہزار دقت جدا کر کے انہیں دونوں کے پاس ہودج میں بٹھا دیا اور پھر ہم تینوں ہاتھی کے پیچھے پیچھے چلنے پر تیار ہوئے ؛

چوتھا حادثہ

مندمل زخم کہن ہونے پہ آتا ہے اگر
داغ تازہ تلکتے ہیں دامن قلب وجگر

ابھی یہ رنج وغم کا قافلہ دو قدم بھی نہ چلا تھا کہ برگشتہ نصیبی نے ایک اور چرکا لگایا۔ یعنی جب چلنے کی تیاری ہوگئی۔ تو میں جلدی سے اس کمرہ میں پہنچی جہاں میرا لختِ جگر ویل دایہ کی حفاظت میں سو رہا تھا تاکہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے لوں۔ جوں ہی کمرہ میں جا کر دیکھا۔ بستر خالی ہے اور دایہ ندارد۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کلیجہ بلیوں اُچھلنے لگا۔ دل میں کہتی تھی۔ الٰہی میرا بچہ کہاں گیا ؟ کون لے گیا۔ دایہ مُردار کا بھی تو پتہ نہیں۔ دیوانہ وار دوڑی

ہوئی دوسرے کمرے میں گئی - اس کا گوشہ گوشہ ڈھونڈ مارا - تیسرے کمرے میں جا کر دیکھا - مگر وہ کہاں - دیوانہ وار پھر اُسی کمرے میں آئی یارائے ضبط نہ رہا - چیخیں مار کر رونے لگی ؎

شوہر اور فیلبان میری آواز سنتے ہی دوڑ پڑے - اُنھوں نے جانا کہ باغیوں نے حملہ کیا لیکن مجھ کو فریاد کرتے ہوئے پایا تو اِس طرح پوچھنے لگے :-

شوہر - خیر ہے خیر ہے - کیا بات ہوئی ؟ کس چیز نے کاٹا یا تم تنہا اِس گھر میں ڈر گئی ہو - آخر ماجرا کیا ہے ؟

مجھ پر اس وقت کچھ ایسا غم طاری تھا کہ بات بھی منہ سے نہ نکلتی تھی - فرطِ الم سے بالوں کو نوچتی تھی - ہاتھوں کو کاٹتی تھی - منہ پر طمانچے مارتی تھی ؎

فیلبان - میم صاحبہ ذرا ہوش میں آیئے - اپنی پریشانی کا سبب تو بتایئے دیکھئے تو صاحب کس قدر بے چین ہو رہے ہیں ؎

شوہر - خدارا کچھ تو زبان سے کہو - کیا حال ہے - کیوں دیوانوں کی طرح حالت بنا رہی ہو ؟

ایلین (میرے گلے میں باہیں ڈال کر روتے ہوئے) میری امّاں جان ! میں قربان گئی - کیا ہُوا - ہائے تمہیں کس نے ستایا - اچھّی بولو - جلدی بولو - کیا ہُوا ؟

میں نے بڑی مشکل سے ذرا دل کو قابو میں کیا اور بہزار دقّت

یہ فقرہ زبان سے نکالا:۔

"ہائے اس کو لے گئے اور مار ڈالا"۔

شوہر و ایلین (گھبراکر) کس کو! کس کو! جلدی بتاؤ۔ کس کو؟

میں۔ میرے ویل کو لے گئے۔ اُف میرا کلیجہ نکل گیا۔ اُف میں کیا کروں؟

شوہر۔ دایہ کہاں گئی؟

میں۔ میں کیا جانوں۔ کہاں گئی؟

اِس بیخودی کے عالم میں مَیں نے ہاتھ اُٹھا کر خدا سے یہ دعا مانگی "اے کل عالم کے پیدا کرنے والے۔ اے مظلوموں کی فریاد سُننے والے۔ اگر میری قسمت میں یہی ہے کہ میں اپنے بچے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں۔ اور قبر میں اس کا داغ فرزندی لے کر جاؤں تو مجھے ایسی زندگی کی خواہش نہیں۔ اپنے مقدس فرشتے کو بھیج دے کہ وُہ فوراً میری روح قبض کر کے مجھے اندوہ دائمی سے چھڑا دے"۔

ایلین اور اُس کا باپ دونوں شمعیں لئے ہوئے کمروں میں ڈھونڈھنے نکلے۔ اُوپر نیچے کوئی جگہ بغیر دیکھے نہ چھوڑی۔ مگر وہ کہیں ہو تو ملے۔ دونوں کے دونوں روتے پیٹتے بے چین و بے قرار ہو کر پلٹ آئے۔ شوہر میرے پاس آنے بھی نہ پایا تھا کہ فرطِ اندوہ سے چکرا کر زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب میں نے اُس کی یہ حالت دیکھی تو اپنی حالت بھول گئی۔ بچے کا خیال جاتا رہا۔ دوڑی ہوئی

قریب گئی - دیکھا کہ چہرے کا رنگ اُڑگیا ہے جسم میں نام کو خون نہیں - قلب کی حرکت بند ہے - ہاتھ پاؤں سرد ہیں - میں اس عالم یاس میں ایلین کو دیکھتی تھی اور ایلین مجھ کو - مجھے اپنے سے زیادہ ایلین کا خیال تھا - کیونکہ اس کا ننھا سا دِل - بالی بچّی - وُہ کیا جانے کہ غم کسے کہتے ہیں - ایک بار ہی غریب پر مصیبتوں کا پہاڑ گر پڑا ؛

مجھے چونکہ معلوم تھا کہ اکثر حوادث ناگہانی کا نزول اِنسانی زندگی کا فوراً خاتمہ دیتا ہے - اِس لئے مجھے یہ کھٹکا ہوا کہ کہیں اِس غم میں میرا شوہر نہ مرجائے اور ہم اِس بے کسی کے عالم میں بے والی وبے وارث رہ جائیں ؛

میں بچّے کی ماں تھی - مجھے بہ نسبت باپ کے زیادہ صدمہ ہونا چاہیئے تھا - مگر اس وقت تو کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا - اپنے پرستار کی زندگی کی خیر منا رہی تھی - بار بار ہاتھ پاؤں ٹٹولتی تھی - نبض دیکھتی تھی - دل کی حرکت پر نظر ڈالتی تھی - ایلین برابر کپڑے سے ہوا دے رہی تھی - فیلبان نے کہیں سے ذرا سا پانی لاکر مُنہ پر چھینٹا دیا تو ذرا آنکھ کھولی - میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا - کوٹ پتلون کے بند کھولے - تسلّی اور دلاسا کے لئے کان میں کہنے لگی ؛

میں - گھبرائیے نہیں - خدا نے چاہا تو ٹل جائے گا - کیا غضب ہے - تم مجھے تسلّی دینے کی بجائے اُلٹا پریشان کر رہے ہو - خدا پر

نظر رکھو ۔ اس کو بڑی قدرت ہے ۔ کیا بعید ہے ۔ جو دایہ اس کو اِس خیال سے کہیں لے گئی ہو کہ مبادا عالم تنہائی میں اُسے دشمن گھیر لیں اور بچے کو کوئی صدمہ پہنچا دیں ۔ اُٹھو ۔ ہم یہاں سے اب چلیں ۔ یقین ہے کہ کسی کوچہ میں ویل کو لئے ہوئے وُہ بھی کہیں مل جائے گی" ؛

میں دیر تک اِس قسم کی باتیں کرتی رہی ۔ مگر صد افسوس کہ یہ تسلی و دلداری بھی مُفید ثابت نہ ہوئی ۔ جس طرح بے حس و حرکت وہ پڑا تھا پڑا رہا ۔ مجھے یقین ہو گیا ۔ کہ اب اس کا بچنا محال ہے ۔ فیلبان نے پھر پانی لا کر چہرے اور قلب پر چھڑکا ۔ جب کسی قدر ٹھنڈک پہنچی تو چند دقیقہ کے بعد ہلکے سے سانس کی آواز میرے کان میں آئی ۔ رفتہ رفتہ آنکھ بھی کھولی اور آہستہ سے کہا :-

شوہر ۔ ویل کہاں ہے ؟

میں ۔ گھبراؤ نہیں ۔ ویل اب آیا جاتا ہے ؛

مجھے ہاتھ سے اُٹھانے کا اشارہ کیا ۔ گردن میں ہاتھ دے کر میں نے اُٹھایا تو کئی منٹ تک مجھ سے لپٹا ہوا اپنے پارہ جگر کی یاد میں روتا رہا ۔ میری آنکھوں سے بھی دریائے اشک جاری تھا ایلن بھی ٹپ ٹپ آنسو گرا رہی تھی ۔ محمد فیلبان کا دل ہماری یہ حالت دیکھ کر پانی پانی ہو گیا ۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا :-

محمد ۔ حضور صبر کیجئے ۔ اِس قدر آزردہ ہونے سے کیا فائدہ ۔ خُدا کی

رحمت سے کسی وقت بندہ کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا بچہ باغیوں کے ہاتھ نہیں لگا - ورنہ وہ ضرور اُس کو مار ڈالتے۔ جس کمرہ میں تم نے اُسے سلایا تھا - وہاں قتل کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا نہ کوئی قطرہ خون کا ہے نہ کوئی ٹکڑا اعضا کا۔ میرا اعتقاد یہ ہے کہ دایہ نے جب تمہاری آواز نہ خانہ سے سُنی ہوگی تو یہ خیال کرکے کہ شاید باغی آگھسے - بچہ کو لے کر یہاں سے کہیں نکل گئی - انسان کو چاہیئے کہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو چاہیئے کیسا ہی یاس وحرمان اور ناسازگاری روزگار نے گھیر لیا ہو سینکڑوں امور جو ایک عقلمند اور باتدبیر کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں - وہ قادرِ مطلق آن کی آن میں ان کی گرہیں کھول دیتا ہے اور طالب مطلوب کو اس صورت سے ملاتا ہے کہ دیکھنے والے حیرت کی انگلی دانتوں میں دے لیتے ہیں ؛

فیلبان کی اِس دلداری و تسلی سے کسی قدر ہمارا رنج کم ہوا اور مُردہ دل میں جان آئی - گھر سے نکل کر راستہ پر آئے اور قدم بڑھانا شروع کیا - خدا محمد کا بھلا کرے - اُس نے مزید اطمینان کے لئے راہ میں ہم سے پھر کہا کہ اگر شہر دہلی تمام دنیا کے برابر وسیع ہوجائیگا تب بھی وہاں اور دایہ کو ڈھونڈ نکالونگا - ہم نے دل میں اِس کو سینکڑوں دُعائیں دیں اور زبان سے بھی اس کا شکریہ ادا کیا دنیا میں تمام فیلبان اپنے مالک کی رائے کے پابند ہوتے

ہیں یعنی مالک جدھر کو چلنے کا اشارہ کرتا ہے۔ فیلبان اُسی طرف ہاتھی چلاتا ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس موقعہ پر برعکس تھا۔ ہم فیلبان کی رائے کے پابند تھے۔ جدھر کو وہ لئے جاتا تھا۔ قدم اُٹھائے خاموشی سے چلے جاتے تھے ؀

خلاصہ یہ کہ چار بجے شب کا وقت ہونے آگیا۔ صرف دو گھنٹے رات کے اور باقی تھے۔ اور ہم کو اپنی مسافت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اِن گھنٹوں میں ہم برگشتہ نصیبوں کو کوئی پناہ کی جگہ مِل جائے گی یا نہیں۔ مجھ کم بخت نے اس رات سے بدتر کوئی رات نہیں دیکھی۔ باربار دل میں کہتی تھی کہ شاید اس سے زیادہ مصیبت خیز رات تو دنیا میں نہ آئی ہوگی۔ لیکن افسوس۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مصیبت کی پہلی ہی منزل ہے۔ ابھی بہت کچھ ایذائیں جھیلنی ہیں دُنیا کے بڑے بڑے انقلاب دیکھنے ہیں۔ یہ تو اُن کا ایک شمہ بھی نہیں آسمان ظلم پر کمر کسے ہوئے اور بدبختی خاک میں مِلانے کے لئے تلی بیٹھی تھی ؀

مختصر یہ کہ ہم کوچہ سے نکل کر ایک چوراہے میں پہنچے۔ فیلبان ہمارے آگے آگے ایک سیدھے راستہ پر چلا جاتا تھا۔ ایلین نے ایک موقعہ پر باپ کا بازو پکڑ کر چاہا کہ کوچے کے بائیں طرف روانہ ہو باپ نے پوچھا۔ تو اس طرف کیوں جانا چاہتی ہے؟ کہا یہ راستہ بارود خانہ کو گیا ہے۔ میرا شوہر ولیم وہی ہے۔ یقیناً وہ ہماری

آمد کا منتظر ہوگا۔

وائے ہماری بدحالی و تیرہ بختی پر کہ اس بیکسی کے عالم میں لڑکی ہی دیوانی ہوگئی۔ شوہر کے عشق کا سودا مالیخولیا کی حد تک پہنچ گیا۔ وہ نہ کھُل کر کسی سے بات کرتی تھی۔ نہ کسی معاملہ میں رائے دیتی تھی۔ جب کبھی بولتی تھی تو وُہ مرغے کی ایک ٹانگ یعنی بارود خانہ چلو۔

غرضیکہ جس طرح ہم سے ہوسکا۔ زبردستی اس کو بائیں جانب والے کوچہ سے کھینچ کر فیلبان کے پیچھے لائے جس محلہ سے ہم گذر رہے تھے۔ اس میں بہ نسبت دوسرے محلّوں کے کسی قدر امن تھا۔ لیکن اس پر بھی دُور سے قاتلوں کے شور و غل کی آواز اور مضروبوں اور مجروحوں کی صدائے فریاد و غوغا برابر سُنائی دے رہی تھی اور سوائے مشرقی کنارے کے ہر طرف گھر دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ فیلبان نے ایک مقام پر کھڑے ہوکر کہا۔ آپ لوگ خاموشی کے ساتھ اس وقت تک یہاں ٹھہرے رہیں کہ میں لوٹ کر آجاؤں۔ ہم اس کے حکم کے موافق خاموش کھڑے ہوگئے۔ چونکہ باغ کی دیوار گچ سے سفید تھی ہم فیلبان کا سایہ سفید دیواروں پر برابر دیکھ رہے تھے۔ بیس قدم سے زیادہ نہ گیا ہوگا کہ ایک بڑے مکان کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا اور اس طرح سے دروازہ کھٹکھٹایا جس طرح کسی دوست کے یہاں دوست جاکر بلاتا ہے۔ ایک منٹ سے زیادہ نہ گذرا تھا کہ دروازہ کھُل

گیا اور فیلبان اور صاحب خانہ سے کئی منٹ تک گفتگو ہوتی رہی ؛
ہم کو اس گفتگو کے سُننے کا جس قدر اشتیاق ہوتا وہ کم تھا۔ کیونکہ ہماری موت وحیات اِسی مکان سے وابستہ تھی۔ یہ گفتگو پانچ منٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ مگر چونکہ ہم امید و بیم کی حالت میں تھے۔ اِس لئے یہ پانچ منٹ ہم کو پانچ سال کی برابر طولانی معلوم ہوئے۔ خدا خدا کر کے بات چیت تمام ہوئی۔ فیلبان نے اپنی آواز پر ہاتھی کو بلایا اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے چل دئے جب اس مکان کے قریب پہنچے۔ دروازہ کھلا ہوا پایا۔ فیلبان نے ہم کو اندر داخل کر کے دروازہ بند کر لیا۔ ایک بڑے کشادہ باغ سے گذرتے ہوئے ہم ایک عالیشان عمارت میں پہنچ گئے۔ جو چیزیں ہاتھی پر تھیں۔ محمد نے ان سب کو اُتار کر ایک کمرے میں رکھا اور ہم سے کہا۔ اب اطمینان سے رہو۔ کوئی کھٹکا نہیں ؛

میں ۔ محمد۔ ہم تمہارے شکر گذار ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے صحیح و سالم اِس خانہ امن و امان میں پہنچا دیا ؛

محمد ۔ ہیم صاحبہ۔ آپ کیا فرماتی ہیں۔ میں تو آپ کا نمکخوار ہوں میرا فرض ہے کہ جہانتک ممکن ہو۔ آپ کے راحت و آرام میں کوشاں ہوں ؛

میں ۔ محمد۔ ہمارا اویل کہاں ہے۔ اس کا کھوج کسی طرح نکالو ؛

محمد ۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں اسے ڈھونڈھنے نکلتا ہوں ؛

اس کمرے کے درمیان ایک لیمپ روشن تھا اور بہت سی چارپائیاں اِدھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں۔ ہم نے چارپائیوں پر لیٹ کر چاہا کہ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ کچھ دیر تو رنج وغم سے نجات ملے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ ہم میں سے شاید کسی کی پلک نہیں جھپکی۔ ہاں وُہ چھوٹا لڑکا جو ہمارے ساتھ تھا۔ ضرور نچنت سو رہا تھا۔ ہم میں سے ہر ایک آئندہ مصیبتوں کے تصوّر اور گذشتہ واقعات کے افسوس میں مبتلا تھا۔ ایسی حالت میں نیند کہاں؟ چند کروٹوں پر کروٹیں بدلیں۔ مگر مقصد برآری نہ ہوئی۔ اوروں کے تفکرات کی تو مجھے کیا خبر۔ البتہ اپنی نسبت کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت مجھے نہ تو باغیوں کی شورش کا خیال تھا نہ گھر کے جلنے کا غم نہ فقر و فاقہ کا اندیشہ۔ نہ دربدری کا افسوس میں تمام گذشتہ واقعات و آئندہ مصائب کو بھولے ہوئے اپنے بچّے دِل کے تصوّر میں ڈُوبی ہوئی تھی۔ دل اُس کی جُدائی میں ماہیِ بے آب کی طرح پھڑک رہا تھا۔ دل میں کہتی تھی۔ نہ معلوم میرے معصوم بچّے پر کیا گذری ہوگی۔ خدا جانے مار ڈالا گیا یا دایہ کے پاس صحیح وسالم ہے اِن خیالات کے ہجوم میں جب میں دل کی طرف رجوع کرتی تھی۔ وُہ بھی کہتا تھا کہ ضرور زندہ وسلامت ہے۔ میں بالیقین اس کو دیکھونگی میں اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ صبح کی روشنی اچھی طرح نمودار ہوگئی۔ فیلبان لوٹ کر آیا۔ دروازہ کھولا اور جو کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہمارے واسطے لایا تھا۔ دے کر کہا:۔

فیلبان - آپ لوگ ہرگز ہرگز اس کمرے سے نکل کر اِدھر اُدھر نہ گھومیں کیونکہ جو انگریز جوان ہو یا بچہ۔ عورت ہو یا مرد۔ ہندوستانیوں کو مل جاتا ہے۔ بغیر قتل کیئے نہیں چھوڑتے۔ جب تک کوئی دہلی کا بادشاہ مقرر نہ ہو اور شہر کا اِنتظام درست نہ ہو جائے۔ آپ لوگ اپنے کو پوشیدہ ہی رکھیں۔ یہ گھر چونکہ ایک مرد مُسلمان کا ہے۔ لہذا اگر باغیوں کو تمہارے یہاں پوشیدہ ہونے کا حال معلوم ہو گیا تو وُہ نہ صرف تم کو بلکہ مجھے اور گھر والے کو بھی قتل کر ڈالیں گے ؀

میں - محمد۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ کیا ہم کو اپنی جان کا پاس نہیں۔ ہم دیوانے ہیں جو خود اپنی ہلاکت میں کوشاں ہوں گے۔ بس تم میرے ساتھ اتنا سلوک اور کر دو۔ کہ میرے بچّے کو ڈھونڈ کر لادو ؀

فیلبان - میں بقسم کہتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہوگا۔ آج غروب آفتاب کے وقت میں تمہارے لڑکے کو ڈھونڈ کر لادونگا ؀

اس کمرے میں صرف چھ آدمی تھے۔ ان کے تین حصّے ہو گئے۔ وہ دونو عورتیں جو ہمارے ساتھ آئی تھیں۔ ایک جگہ بیٹھی تھیں۔ میری لڑکی اور وُہ چھوٹا لڑکا ایک مقام پر تھے۔ میں اور شوہر ایک گوشے میں ؀ ایلین کی متحیرانہ حالت دیکھ دیکھ کر میرے اور بھی چھکّے چھوٹے جاتے تھے۔ ہرچند میں نے اِس بارہ میں کوشش کی کہ وُہ تھوڑی دیر رولے۔ تاکہ اس کے دِل کا بخار کم ہو اور بھری ہوئی طبیعت کچھ ہلکی ہو جائے۔ لیکن وُہ خدا کی بندی خاموش بُت بنی بیٹھی رہی۔ کھانا بھی

مطلق نہ کھایا - ہم نے البتہ تھوڑے سے چاول اور کچھ پھل جان بچانے کے لئے زہر مار کر لئے تھے - پانی ہمارے پاس بہت کم تھا اور باہر سے جا کر ہم میں سے کوئی لا نہ سکتا تھا - اس لئے نہایت احتیاط سے خرچ کر رہے تھے - مگر وُہ دونو عورتیں مطلق اس کا خیال نہ کرتی تھیں پینے کے علاوہ برابر اپنے زخموں کو دھوئے جاتی تھیں - مجبور ہو کر میں نے کہا :-

میں - پیاری بہنو! پانی ذرا دیکھ کر اُٹھاؤ - اگر ہو چکے گا تو کس نوکر کو بھیجیں گے کہ لے آئے ؛

ایک - (تیوری بدل کر) خوب تو کوئی زخم بھی نہ دھوئے - پانی بھی کوئی ایسی بیش بہا چیز ہے کہ اُسے کوئی سوچ سمجھ کر اُٹھائے - آئے گا فیلبان - ایک ٹھیلا بھر لائے گا - نوج کوئی تم جیسا کھسیانہ ہو - اللہ تیری پناہ ؛

دوسری - اے اسی نیت کا پھل تو مل رہا ہے - کرے ایک بھریں سب - بھلا یہ تو بتلاؤ جب زخم نہ دھلیں گے تو اچھے کیسے ہوں گے مگر سچ کسی نے کہا ہے - جس تن لاگے وہی تن جانے - اِن بیچاری کو اِس سے کیا غرض ہے - چاہے کسی کی جان نکل جائے - پانی تو ٹھلیا میں بھرا رہے - ابھی اپنے زخم ہوتا تو دیکھتے کیسے بار بار نہ دھوتیں ؛

میں - اے یہ بھی کوئی بات لڑائی کی ہے - میری پا پوش سے خوب بہاؤ - خوب دھوؤ - پیاسے مریں گے تو سب مریں گے - میں ہی تو

اکیلی نہیں - جان دار تو سب ہی ہیں - پیاس تو سب کو ہی معلوم ہو گی رہا محمد نیلبان کا پانی لانا تو یہ خیال دُور رکھو - وُہ بیچارہ کیا کیا کریگا میری ہمت تو پڑنے کی نہیں کہ میں اس سے کہوں - تم جانو - تمہارا کام جانے ؛

ایک - خیر بی بی جو ہونا ہوگا ہو رہے گا ؛

یہ ظاہر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں جو اس بدبختی کے زمانے میں ہمارے لئے وبال جان ہو گئی تھیں ہم کو حد درجہ نفرت کی نظر سے دیکھتی تھیں - حالانکہ ہم نے ہی انکی جان بچائی - ہماری محبت اِن کے دل میں ذرا بھی نہ تھی - کیا وہ یہ جانتی تھیں کہ اگر ہم ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی نہ کرتے - تو کبھی ہرگز موت کے چنگل سے رہائی نہ ملتی - اسی تہ خانہ میں سڑ سڑ کر مر جاتیں ؟ جانتی تھیں اور ضرور جانتی تھیں - مگر اپنی بدطینتی اور کمینہ پن کے باعث غرور و تکبر ہی سے پیش آتی تھیں - خاصکر جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہم کاشتکاری کا پیشہ کرتے ہیں ؛

میرے شوہر کو چونکہ کسی قدر فن جراحی سے واقفیت تھی - اس لئے اس نے ایک کا کٹا ہوا بازو نہایت ہوشیاری کے ساتھ باندھا - جس سے خون کا بہنا بند ہوا - اور اس کی زندگی کی امید ہو گئی - مگر اس احسان کا بدلہ جو میرے شوہر کو اس نے دیا - یہی تھا کہ ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھتی - وہ دوسری عورت جس کے تمام اعضا سالم تھے فقط

اس زخم کی وجہ سے جو آنکھ میں تھا - برابر روئے جاتی تھی - جس سے خوف تھا کہ اس کی آنکھ جاتی رہے گی ٭

ہم لوگوں نے چونکہ اپنی کسی حالت کو چھپایا نہیں - اس لئے ان عورتوں کو ہمارا تو کل حال معلوم ہوا - لیکن ہم ان کی بابت کوئی بات معلوم نہ کر سکے - کیونکہ وہ دونو اس قسم کی گفتگو ہی نہ کرتی تھیں - جس سے اُن کے حسب و نسب وغیرہ کا پتہ چلتا - گو ہم کو ان باتوں کے معلوم کرنے کی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی - تاہم یہ ضرور چاہتے تھے کہ اجمالاً یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس خاندان اور کس طبقہ کی ہیں ٭

میں نے اِس لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا کر کچھ اُن کا حال معلوم کرنا چاہا - لیکن اس نے کہا - کہ میں اِن عورتوں سے قطعی ناواقف ہوں - میں نے اِس سے پیشتر کبھی دیکھا ہی نہیں ٭

اِس بچے کی گفتگو سے اتنا تو پتہ چلا کہ یہ اس جج کا بیٹا ہے جس کو ہندوستانیوں نے ہمارے سامنے آگ میں جلایا تھا - ابھی تک اس غریب کو اپنے باپ کی ہلاکت کا حال معلوم نہ تھا - وہ یہ جانتا تھا کہ اسکا باپ صحیح و سلامت ہے - ہندوستانیوں سے لڑنے کے لئے گیا ہوا ہے - اِسی وجہ سے اس کو اپنے باپ کی آمد کا اِنتظار تھا - چونکہ اس کی ماں چھ برس پہلے مر چکی تھی - لہٰذا اس نے اپنی خالہ کی گود میں پرورش پائی تھی - وہ بھی اس منحوس گھر میں رہتی تھی جہاں اس کا باپ تھا - بدبختی سے ایک ماہ قبل اُس نے کچھ مہمانوں کو بلایا تھا

چاہتی تھی کہ دُنیوی قرض سے سبکدوش ہو۔ ٹھیک اسی وقت جبکہ بزمِ دعوت آراستہ تھی اور نوکر چاکر کمربستہ خدمت کے لئے کھڑے تھے۔ باغیوں نے حملہ کر دیا۔ سب پریشان ہو گئے۔ مرد تو مصروفِ پیکار ہوئے اور عورتیں اور بچے سب کے سب اس تہ خانہ کے اندر گھس گئے ؎

یہ مختصر سرگذشت اس مکان کی تھی۔ جس کو ہم نے اس لڑکے کی گفتگو سے اخذ کیا۔ اِسی درمیان میں جبکہ ہم لڑکے سے یہ گفتگو کر رہے تھے ان دونوں عورتوں میں کچھ نزاع واقع ہوا۔ ایک نے بطور طنز دوسری سے کہا:-

ایک - بس ذرا منہ سنبھال کر بول - اتراتی کیا ہے۔ وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اُڑاتے تھے۔ اب ٹکڑا ابھی کھانے کو نہ جڑے گا۔ یوں ہی ایک ہاتھ کی ڈنڈ پھرنا۔ بہت باورچی خانے میں رہ کر موٹی ہوئی تھی ؎

دوسری - یاد رکھنا - اگر میرے سامنے زیادہ چپڑ چپڑ کی تو گدی سے زبان کھینچ لونگی۔ مکٹے کی اتنا میرے سامنے بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہے ؎

میں - بیبیو۔ خدا کے واسطے غُل نہ مچاؤ۔ ابھی اگر خدانخواستہ کسی نے آواز سن لی۔ تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے ؎

دونوں کی اِس باہمی گفتگو سے مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ ایک تو اِن

میں سے باورچن اور دُوسری انا ہے - یہ دونوں اپنی میم کے ساتھ
اس لڑکے کی خالہ کے ہاں آئی ہوں گی - وہاں اِس حادثہ میں وُہ
میم تو ماری گئی اور یہ دونوں مجروح ہو کر بچ گئیں ؛
بہرحال وُہ کوئی بھی تھیں - لیکن چونکہ اس وقت ہماری بدبختی
میں شریک اور مصیبت میں ساتھی تھیں - میں باوجود اِس نخوت و
غرور کے بھی جو ان سے اسوقت تک برابر ظاہر ہوتا رہا - اِس بات
کو انسانیت سے بعید سمجھتی رہی کہ کسی موقعہ اور محل پر ازروئے طعن
وطنز ان پر یہ ظاہر کروں کہ وہ کس طبقے اور درجے کی ہیں - بلکہ میں تو
ہمیشہ ان کو تسلّی اور دلاسا دینے اور امکانی آرام پہنچانے کے لئے
کوشاں رہتی تھی - نیکی کا بدلہ خدا ہی دینے والا ہے ؛
سچ کسی نے کہا ہے - کہ احسان سرکشوں کی گردن جھکا دیتا ہے
آخر کب تک متنفر رہتیں - میرے برتاؤ نے اِن وحشیوں کو رام کر کے
ہی چھوڑا - دن بھر میں کچھ سے کچھ حالت ہو گئی - یا تو ہماری طرف
پشت کر کے بیٹھتی تھیں یا دلداری و غمگساری کی باتیں کرنے لگیں -
کبھی کبھی ضرورت کے وقت ہمارا کام بھی کر دیتی تھیں ؛
جب آفتاب عالمتاب نے نقابِ شب اُلٹ کر روئے عالم
پر نظر ڈالی تو ہم نے بھی آنکھ کھول کر اپنے کمرے کو اچھی طرح دیکھا
بھالا - یہ ایک بہت بڑا دالان تھا - جس کا تمام فرش سنگ مرمر
کا تھا - اور دیوار و در پر استرکاری ہو رہی تھی - اور درمیان

میں ایک بڑی سی میز اور اِدھر اُدھر چند چارپائیوں کے سوا اور کوئی سامان ہمیں اس میں دکھائی نہ دیا۔ جس قدر یہ گھر۔ باغ اور کمرہ جس میں ہم پناہ گزین تھے۔ امن و امان کا مقام تھا۔ اِسی قدر اس کے باہر فتنہ و آشوب زیادہ تھا۔ اطراف شہر سے برابر توپوں اور بندوقوں کی آواز۔ باغیوں کا غل غپاڑہ سُنائی دے رہا تھا۔ جس سے ہمارے ہوش گم تھے۔ جو توپ کی آواز ہم سُن رہے تھے۔ وُہ یقیناً انگریزی فوج کی طرف سے تھی۔ جو باغیوں کے ڈرانے اور مجمع کے منتشر کرنے کے لئے چھوٹ رہی تھی۔ لیکن افسوس کہ انگریزی فوج کی تعداد اِس قدر کم تھی کہ ایک گورا ہزار ہندوستانیوں کے مقابل تھا۔

کل اور آج کی حالت ازروئے مصائب و آلام یکساں تھی۔ ہر وقت دل کو دھڑکا لگا ہوا تھا کہ دیکھئے کیا انجام ہو ہر چند میں عقل پر زور دے کر یہ سوچتی تھی کہ آخر یہ شورش کیوں ہوئی یہ مصیبت ہم پر کس وجہ سے آئی۔ مگر کوئی معقول جواب ذہن میں نہ آتا تھا۔ محض تسلّی کے لئے دل میں یہ فرض کر لیتی تھی کہ جو کچھ دُکھ اور رنج ہم کو پہنچ رہا ہے۔ یہ شاید کسی وحشت ناک خواب کی تعبیر ہے۔ یا شاید میرے دماغ میں خلل آگیا ہے۔ جس کے باعث یہ توہمات لایعنی پیدا ہو رہے ہیں۔ اصلیت اِن کی کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک وہم ہی وہم ہے۔ کبھی کہتی تھی کہ ہم جو صبح کو چائے پیا کرتے تھے۔ تو کسی نوکر نے اِس میں بھنگ مِلا دی ہو گی جو یک بیک ایسی حالت

ہو گئی - یہ بات کوئی تعجب خیز نہ تھی - اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب انسان کے دماغ پر بہت سے مصائب کا بار ایک دفعہ ہی آ گرتا ہے تو اُس کی عقل جاتی رہتی ہے - اور واقعہ اور عدم واقعہ میں تمیز باقی نہیں رہتی ٭

میں تو ان خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی اور میرا شوہر اس خجالت سے کہ کیوں نہ انگریزوں کے ہمراہ ہو کر شریک معرکہ ہوا ایک گوشے میں سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا - میں اس کے پاس گئی اور کہا:-

میں - آپ کس سوچ میں ہیں - گردن ذرا اُوپر کو اُٹھائیے جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وُہ تو ہو کر رہے گا - آخر اس فکر سے کیا حاصل؟

شوہر (آہ سرد بھر کر) دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا ٭

میں - وہ کیا ارمان تھے - میں بھی تو سُنوں ٭

شوہر - اب کیا بتاؤں کہ کیا دل میں تھی - میرا تو مستقل طور سے یہ ارادہ تھا کہ انگریزوں کے گروہ میں شامل ہو کر اِن سفاک باغیوں سے جی کھول کر لڑوں - کچھ تو دل کا حوصلہ نکل جائے - مگر جب تمہاری دربدری اور پریشان حالی کا خیال آتا ہے تو ہمّت پست اور جرأت شکست ہو جاتی ہے ٭

میں (آنسو بھر کر) نہیں - آپ ہماری وجہ سے اپنا ارادہ فسخ نہ کیجئے - ضرور وہاں جا کر دشمنوں سے لڑیئے - خدا ہمارا ایسا حافظ و نگہبان ہے - اسی کی ذات کا اب تو دُنیا میں سہارا رہ گیا ہے

اگر زندگی کے دن باقی ہیں اور یہ پاؤں تلے کی کرسی نکل گئی تو پھر کہیں مل رہیں گے - وائے ہماری بدنصیبی اور بدبختی پر کہ نہ خود اپنے ہم وطنوں کی کوئی مدد کر سکتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں شکر ہے خدا کا جس حال ہیں رکھے - ہم بے غیرتوں - پست ہمتوں ہیں یہ حوصلہ کہاں کہ وقتِ بے کسی ہیں دوسروں کا ساتھ دیں - خود ہی بدقسمتی سے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں - یا اللہ تو ہماری ناچاری و بے کسی کا دیکھنے والا ہے اور دِلوں کی حالت کا جاننے والا ہے

شوہر - (کسی قدر شرمندہ سا ہو کر) بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تم کو اس حال میں چھوڑ کر چل دوں - اگر ایسا شقی و قسی القلب ہوتا تو اب تک کبھی کا چل دیا ہوتا - اب تو جو کچھ مقدر میں ہے اسے دیکھینگے میری غرض یہ نہ تھی کہ میں تم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں - بلکہ اپنی اِس حالت پر افسوس کر رہا تھا - ایک مرد کے لئے اِس سے زیادہ اور کیا ننگ ہو سکتا ہے کہ وُہ عورتوں کی طرح مکان میں بیٹھ کر چھپ جائے - اور ایسا خائف ہو کہ آواز تک مُنہ سے نہ نکالے - مرد کا جوہر یہی ہے کہ جب دشمنوں کا ہجوم ہو - تلوار لے کر سامنے آئے خود مرے اور دس بیس کو مار کر خاک پر گرائے - تم فضول آزردہ ہوتی ہو - میں تو محض بطور افسوس کے یہ گفتگو کر رہا تھا - اس شخص کا آزادانہ کوئی کام کرنا کیونکر ممکن ہے - جس کے پیر میں ایک چھوڑ تین تین بیڑیاں پڑی ہوئی ہوں ۔

شوہر کی یہ گفتگو میرا غم دُور کرنے کی غرض سے تھی۔ مگر چونکہ لہجہ سے ملال کا اظہار ہوتا تھا۔ اِس لئے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ جس کو اُس نے میرے چہرے سے محسوس کیا اور بغرض دلدہی یوں کہنے لگے :-

شوہر۔ تم اِس قدر پریشان کیوں ہوتی ہو (میری آنکھوں سے آنسو پاک کر کے) میں نے آخر کیا کہا۔ جو تم کو اِس قدر ملال ہوا۔ یہ تو سب دل لگی کی باتیں تھیں۔ ذرا تمہیں چھیڑنے کو ایسا کہہ رہا تھا۔ بھلا میں یہاں سے کہیں جا سکتا ہوں اور اب بات ہی کیا رہ گئی ہے اگر خدا نے چاہا۔ تو آج ہی گوروں کی پلٹنیں باغیوں کا قلع قمع کر دیں گی۔ اور شام ہی تک تمام دہلی میں امن و امان قائم ہو جائیگا بہت جلد وہ گورے جو بارُودخانہ کے محافظ ہیں۔ نیز وہ وفادار ہندوستانی جنہوں نے باغیوں کے بہکانے سے انگریزوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سب مل کر مفسدوں کو بغاوت کا پُورا پُورا ذائقہ چکھائیں گے۔ یہ بھی نہ معلوم کیا بات تھی۔ کہ ہندوستانیوں کو اِس قدر جرأت ہو گئی ورنہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مقابلے کی کہاں تاب رکھتے تھے۔ جس وقت ہندوستانی فوجوں کا باقاعدہ انتظام ہو گیا یہ سب فتنہ دم بھر میں فرو ہو جائے گا ؛

ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بغاوت صرف دہلی اور میرٹھ ہی میں ہے۔ اس کا پتہ نہ تھا کہ یہ آگ تمام ہندوستان میں بھڑک رہی ہے

جس کا قوی سبب مذہب کا اختلاف رسوم ملکی کی مغائرت - انگریزی اور ہندوستانی عادات کا فرق - بہرحال میرا شوہر نہ اندھا تھا - نہ مجنون تھا نہ خفیف العقل - ہولناک اخبار کو کان سے سُنتا تھا شورش وفتنہ کو آنکھ سے دیکھتا تھا - سلطنت کی بداقبالی اور شکستگی کو جانتا تھا - لیکن پھر بھی ایسا بھولا بن رہا تھا گویا کچھ جانتا ہی نہیں - اِس کا کیا سبب تھا - صرف یہی کہ میں زیادہ مضطرو پریشان نہ ہوں - اور اس واقعہ کو بہت ہی معمولی واقعہ سمجھتے ہوئے انگریزی سلطنت کے قیام و ثبات کا اعتقاد دل میں لئے رہوں سب سے زیادہ تعجب خیز تو یہ بات ہے کہ وُہ ہم کو اثنائے گفتگو میں اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ہندوستان میں جلد سے جلد امن و امان قائم ہونے والا ہے - جس وقت ایسا ہوا تو ہم لوگ سرکار سے اِس نقصان کا بھی عوض پائیں گے - جو ہمارے گھر جلنے اور اسباب وغیرہ کی بربادی سے ہوُا ہے - میں اس کی یہ بچّوں کی لبھانے والی باتوں کو سُن کر دل ہی دل میں ہنستی تھی - ایک بات بھی اگر سچ پوچھو تو میرے دل کو نہ لگتی تھی - محض اس کی خاطر سے ہاں میں ہاں ملائے جاتی تھی - ابھی یہ گفتگو تمام نہ ہوئی تھی کہ پے در پے توپوں کے دغنے کی آواز ہمارے کان میں آئی ؛

شوہر - (آواز کی طرف کان لگا کر) ایں یہ کیا ؟ یہ توپیں کہاں دغ رہی ہیں - کیا باغیوں نے پھر حملہ کر دیا ؛

میں ۔ خدا ہی جانے کیا معاملہ ہے؟ یہاں تو اب دن رات یہی رہے گا یا اللہ تو ہی بچانے والا ہے ؛

شوہر ۔ ذرا کان لگا کر سُننا ۔ مجھے اِن توپوں میں گولے بھرے ہوئے معلوم نہیں ہوتے بلکہ چھرّہ سا معلوم ہوتا ہے ۔ کیا گولے کی ایسی ہی آواز ہوتی ہے ؟

میں ۔ تم ہی جانو کیا ہے ۔ میرے تو ہوش گم ہیں نہ چھرّا سمجھ میں آتا ہے نہ گولہ ؛

شوہر ۔ کیا تم نہیں سن رہی ہو کہ توپ کے دغنے کے بعد لوگوں کا ایک شور سُنائی دیتا ہے اور چند منٹ کے بعد پھر توپ چھوٹتی ہے ۔ اور پھر اسی طرح لوگوں کی آواز کان میں آتی ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس وقت توپ سے چھرّا نکلتا ہے اور بہت سے بلوائی زخمی یا ہلاک ہو جاتے ہیں تو چند منٹ کے لئے ان کے حملہ سے نجات مل جاتی ہے ۔ دوسری بار جب پھر جمع ہو کر ہلّہ کرتے ہیں تو پھر توپ چھوٹتی ہے کیا یہ میرا خیال غلط ہے ؟

میں ۔ ممکن ہے یہی بات ہو ۔ مگر یہ آواز آتی کہاں سے ہے ؟

شوہر ۔ میرے خیال میں سلیم غوری کے قلعہ سے آ رہی ہے ؛

میں ۔ کبھی ہرگز نہیں سلیم غوری کا قلعہ داہنی جانب ہے اور یہ آواز بائیں جانب سے آتی ہے ؛

شوہر ۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو ؛

میں ۔(چونک کر) اور بندوقوں کے چھوٹنے کی آواز نہیں سُن لیے ہے؟
شوہر ۔ یہ تو بڑی زبردست باڑھ چل رہی ہے۔ آج کا معاملہ زیادہ مخدوش نظر آتا ہے۔ خدایا۔ تیری پناہ ؎

میں ۔ ہو نہ ہو۔ یہ لڑائی یا تو کلکتہ دروازہ کے بالمقابل ہے۔ یا بارود خانہ کے سامنے ؎

شوہر (کان لگا کر) مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ کے توپچی جو ہمارے طرفدار ہیں جمنا کا پُل اُتر کر شہر میں داخل ہو گئے ہیں اور پشت کی طرف سے باغیوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ اگر خدا نے ایسا ہی کیا۔ تو کام بن گیا۔ گھڑی دو گھڑی میں سب کو خاک پر لٹا دیں گے اور تمام دہلی میں از سر نو امن ہو جائے گا۔ تو پھر تو ہم بھی خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ تم دیکھ لینا۔ وہیں دایہ ویل کو گود میں لئے موجود ہوگی ؎

میرے شوہر کی یہ مجنونانہ بڑ اور افیونیوں کی سی گفتگو برابر جاری تھی اور میں دل ہی دل میں گھٹتی تھی۔ اس کے ملال کی وجہ سے کھل کر نہ کہہ سکتی تھی کہ یہ شیخ چلی کے سے منصوبے پورے ہو چکے اور اب امن کہاں اور اطمینان کیسا۔ نہ معلوم مقدر میں کیا کیا لکھا ہے۔ بھلا یہ تو بدنظمی اور ابتری کی صورت اور پھر فوری امن کی اُمید میرے شوہر کی عقل گوارا کر رہی تھی۔ گو میں اس کا دل رکھنے کے لئے کہہ دیا کرتی تھی۔ "خدا ایسا ہی کرے" مگر دل اِن الفاظ

کو ذرا بھی قبول نہ کرتا تھا - یہ میرے قلبی اعتقاد کی سچی ترجمانی نہ تھی محض دُنیاسازی یا دلداری تھی ؛

اتفاق کی بات - تھوڑی دیر کے بعد توپ اور بندوق کی آواز بالکل جاتی رہی - میرا شوہر خوشی سے کُودنے لگا - بار بار جوش میں میرا ہاتھ پکڑ کر کہتا تھا :-

شوہر - کہو - ہم نہ کہتے تھے کہ اب ہوا بدلی - باغیوں کا دھواں اُڑا دیکھ لو - توپ رُک گئی ؛

میں - توپ کا رُکنا فتنہ کے فرو ہونے کی دلیل کیسے ہو گیا ؟

شوہر (مسکرا کر) تم بڑی موٹی عقل کے آدمی معلوم ہوتی ہو : یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب باغی پسپا ہو کر بھاگ گئے ہوں گے - تو پھر توپ کس پر چلائی جاتی ؟ در و دیوار پر ؟

میں - اور کیا ؟ ایسے مچھر - پسّو تو تھے نا - کہ ذرا سا دھوآں دکھانے سے بھاگ گئے - خدا کے واسطے ذرا ہوش کی لو ؛

شوہر (جھنجھلا کر) خیر صاحب - وہ مچھر پسّو نہ سہی - شیر سہی - تم کو انگریزوں کی کامیابی کا یقین ہی نہیں آتا ؛

میں - یقین تو جب آئے کہ عقل کے نزدیک کوئی صورت کامیابی کی نکلے - یا یوں ہی اعتقاداً کہلانا چاہتے ہو ؛

دَن - دَن - دَن

شوہر (ہکا بکا ہو کر) یہ کیا یہ کیا - پھر توپ چلنے لگی ؛

ہیں - تم کہتے تھے - لڑائی ختم ہو گئی - انگریز کامیاب ہو گئے - ہندوستانی بھاگ کھڑے ہوئے - اب یہ آواز کیسی ہے ؟

شوہر (شرمندہ ہو کر) اب غیب کا حال تو خدا ہی جانے - اپنی تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا ٭

ہیں - ذرا سُننا - مجھے تو بلوائیوں کے خوشی کے نعرے سُنائی پڑتے ہیں ٭

شوہر (چیں بجبیں ہو کر) تمہارے کان بجتے ہیں - تمہارے خیال سے وُہ گویا سارے شہر پر قابض ہو گئے - واہ کیا کہنا ٭

ہیں - مفت میں غصّہ کیوں ہوتے ہو - ذرا خاموشی سے سُنو تو ٭

شوہر (تھوڑی دیر کان لگا کر) بے شک تمہارا ہی خیال ٹھیک ہے، لیکن یہ کیا ماجرا ہے - کیوں یہ خوشی کے نعرے بلند ہو رہے ہیں کیا جو گورے بارود خانے پر متعین تھے - وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور وُہ جگہ باغیوں کے قبضہ میں آ گئی - یا جو لوگ میرٹھ سے ہماری کمک کو آئے تھے - وُہ مغلوب ہوں گے ؟

بارود خانہ کا نام سنتے ہی ایلین جو ایک کونے میں بالکل خاموش بیٹھی تھی - یکبارگی دیوانوں کی طرح دوڑی اور میرا بازو زور سے پکڑ کر کہنے لگی :-

ایلین - امّاں - تم نے بارود خانہ کے متعلق ابھی ابھی کیا کہا ؟

ہیں (نہایت نرم لہجے میں) بیٹی - بارود خانہ کے ذکر سے ہمارا

یہ مطلب تھا کہ وہاں بڑے بڑے غیرت مند۔ وفا شعار اور تنہ زور خادمانِ ملکہ انگلستان موجود ہیں۔ جب تک ان کے بدنوں میں جان ہے۔ ہرگز قبضہ نہ چھوڑیں گے ؛

ایلین۔ جب یہ جانتی ہو تو وہیں کیوں نہیں چلتیں۔ ولیم کی وجہ سے ہم کو وہاں ہر طرح کا اطمینان رہے گا۔ اگر خدا نخواستہ کوئی آفت آئی بھی تو سب ہوں گے۔ تو ایک دوسرے کی صورت کو ترستے تو نہ جائیں گے ؛

ہیں۔ بیٹی۔ وہاں تک جانا آسان ہوتا تو اب تک چلے نہ جاتے سُن رہی ہو کہ ہندوستانی تمام شہر میں ہمیں اس طرح ڈھونڈ رہے ہیں۔ جس طرح خونخوار درندہ اپنا شکار تلاش کرتا ہے۔ اگر اس خانۂ امن و امان سے نکل کر باہر گئے۔ اور اب سے دُور کسی کی نگاہ پڑ گئی تو پھر کیا ہوگا ؟

ایلین۔ تو مجھے ولیم کے ملنے سے نا اُمید ہو جانا چاہیئے (اتنا کہا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے)

ہیں۔ (پیار سے منہ چوم کر) ایلن ایلن۔ تم کیسی ناسمجھ ہو۔ یہ کیسے جان لیا کہ اب ہم ولیم سے نہ ملیں گے۔ خدا کو بڑی قدرت ہے دیکھو تو اب وُہ وقت آیا ہے کہ ہم اور ولیم ایک جگہ ہوں گے۔ بیٹی کسی پر ہمیشہ مصیبت رہی بھی ہے جو ہم پر ہی رہے گی ؟

بیک ساعت بیک لحظہ بیک دم ۔۔۔ دگرگوں مے شود احوال عالم

شوہر - (ایلین کو گلے لگا کر) صبر کا اجر خدا دینے والا ہے ؂

ابھی میرے شوہر کا کلام تمام نہ ہوا تھا کہ یکبارگی ایک نہایت سخت آواز کان میں آئی - وہ آواز نہ تھی بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا - کہ آسمان میں ایک بار ہزار رعد گرجے یا زمین پر ہزار کوہ آتش فشاں شق ہو گئے - انسان کا تو ذکر ہی کیا ہے - زمین اس کی آواز سے دہلنے لگی - ہوا تیرہ و تار ہو گئی - نزدیک تھا کہ کمرے کی چھت گر پڑے ہم لوگوں میں سے کمرے کے اندر بعض تو کھڑے اور بعض بیٹھے تھے اس آواز کے آتے ہی سب چپکے کو لوٹ گئے - اور کئی منٹ تک ہوش نہ ہوا - ہر ایک کا کلیجہ دھک دھک ہو رہا تھا - آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا - زبان کو خوف سے بات کرنے کا یارا نہ تھا - یہ آواز بارود خانہ میں آگ لگنے کی تھی - ہم پوری طرح یہ نہیں بتا سکتے کہ کتنی دیر تک کمرے کے فرش پر بیہوش پڑے رہے - جب کسی قدر اوسان درست ہوئے تو خدا سے دعا مانگی - اور اپنے اطراف و جوانب میں نگاہ دوڑائی - میری لڑکی ایلین مُردوں کے مانند زمین پر پڑی ہوئی تھی - میں نے اور میرے شوہر نے اُٹھا کر ایک پلنگ پر لٹا دیا - اس کی حالتِ زار کو دیکھ دیکھ کر اپنی تباہی و بربادی کا تصور کر کے میں اس کا سر زانو پر رکھے زار زار رو رہی تھی - افسوس کیسی دم بھر میں کایا پلٹی - گھر چھوٹا - بچہ چھوٹا - دولت گئی - حکومت گئی - اب چلتے چلتے جوان لڑکی بھی ہاتھوں سے جا رہی ہے ؂

بارود خانے کے آگ لگنے اور اس کے اندر غیرت مند انگریزوں کے جلنے کا مفصل حال مؤرخین لکھیں گے۔ میں صرف اسی قدر لکھتی ہوں۔ جتنا وہاں موجود رہنے والے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ وہ کہتا تھا :-

ا ا مئی کو تمام شہر دہلی میں باغیوں کا قبضہ تھا۔ جس قدر گورے ہلاک ہونے سے بچے تھے۔ سب کے سب کابلی دروازہ سے فرار ہو کر شہر کے باہر چلے گئے تھے سراج الدین محمد بہادر شاہ جو کہ سلسلہ تیموریہ کا آخری بادشاہ تھا۔ ہندوستانیوں نے تخت پر بٹھا دیا اور اس کے بعد ہندوستانیوں کا گروہ انگریزوں کو قتل کرنے اور ان کا مال و دولت لوٹنے کے لئے جابجا گھومنے لگا باوجودیکہ توپ خانہ کے محافظ اور بعض اسلحہ خانے اور بارود خانے کے سردار یہ چاہتے تھے۔ کہ آخر دم تک اس کی نگہبانی کریں اور حتی الامکان اس کو دشمنوں کے قبضہ سے بچائیں کہ شاید اس کی وجہ سے بگڑی بن جائے۔ لیکن تقدیر پر کسی کا زور نہیں چلتا ۔

انہیں سب سرداروں میں جو وہاں جمع تھے اور تا دم آخر حفاظت کا بیڑا اٹھائے تھے۔ میرا داماد ولیم بھی تھا۔ ان لوگوں نے متفق ہو کر اپنی جماعت میں سے ایک ذی وجاہت اور کبیر السن

سردار کو اپنا رئیس بنا لیا تھا - اور مقابلے کے لئے بالکل آمادہ ہوگئے تھے - ان کو سرداروں نے اپنے تجربے سے یہ یقین دلایا تھا - کہ ہندوستانی سپاہی پہلا حملہ تو نہایت دلیری اور جرأت سے کرتے ہیں - اگر اس سے دشمن بھاگ گیا تو سبحان اللہ - پھر کہنا ہی کیا ہے اور اس نے سختی سے بات پوچھی اور قدم جمائے رہا - تو رفتہ رفتہ اُن کا جوش ٹھنڈا پڑجاتا ہے اور پائے اثبات اُکھڑ جاتے ہیں ۔

اُن کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ کم از کم ۲۴ گھنٹے سلح خانہ اور بارود خانہ ہمارے قبضہ میں رہ گیا تو امید ہے کہ دوسری چھاؤنیاں اِس غدر کا حال سُن کر دہلی کو پلٹنیں روانہ کردیں گی اور یہ شہر یقیناً باغیوں کے قبضہ سے نکل جائے گا ۔

چونکہ ایک مدت دراز سے ہندوستان میں کوئی غدر نہ ہوا تھا - اِس لئے بارود خانہ کی محافظت میں کوئی خاص اہتمام نہ کیا جاتا تھا اِس بات سے بالکل بے خبر تھے - کہ انسان کو چند روزہ امن اور عارضی آسائش سے غافل نہیں ہونا چاہیئے - بلکہ ہمہ وقت دشمنوں سے تحفظ کا بندوبست رکھنا چاہیئے - بہت سے خطرے اکثر ایسے آپڑتے ہیں کہ پہلے سے ان کی آمد کا گمان تک نہیں ہوتا ۔

خلاصہ یہ کہ دو توپیں اور بہت سی چھرّے کی تھیلیاں بارود خانے کے سامنے رکھ دی گئی تھیں - اور توپچیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ سامان ختم ہوجائے اور کوئی تدبیر دفعیہ کی نہ ہو تو توپوں

کو چھوڑ کر فوراً بارود خانہ کے اندر چلے جائیں اور ایک مورچے میں جو بارود خانہ کے اندر بنایا گیا تھا - پناہ لیں ؂

اِس مختصر انگریزی فوج نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ جب تک جسموں میں جان باقی ہے - مردانہ کوشش کیئے جائیں گے - اور بارود خانے کو باغیوں کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیں گے - لیکن جب طاقت نہ رہے اور مقابلہ اختیار سے باہر ہو جائے تو بارود کے تمام انبار میں ایک بار آگ لگا دی جائے - تا کہ ایک چٹکی بھر اس میں سے باغیوں کو نہ ملے - اِسی غرض سے بارود کے انبار سے لے کر انگریزوں کی پناہ کی جگہ تک برابر ایک خط بارود کا کھینچ دیا گیا تھا اور اُن کا سردار اپنے ہاتھ میں ایک بتی جلائے بیٹھا تھا - کہ جس وقت باغی اندر گھسیں - فوراً بارود میں آگ لگا دی جائے - اور خود بھی اِسی میں جل کر مر جائیں ؂

اِسی درمیان میں دہلی کے نیئے بادشاہ کا ایک عہدہ دار انگریزی سرداروں کے پاس بادشاہ کا پیغام لے کر پہنچا کہ اگر تم لوگ بارود خانے سے دست بردار ہو جاؤ - تو ہر طرح سے امان دے دی جائے - انگریزی افسر نے پیغامبر کو ڈانٹ کر لوٹا دیا - اور سب نے مِل کر ملکہ وکٹوریہ کی سلطنت قائم رہنے کی دُعا کی ؂

جب بادشاہ دہلی کو مایوسی ہوئی تو اس نے بارود خانے پر حملہ کرنے کا حکم دیا - حکم مِلتے ہی اِس قدر کثرت سے لوگ اس پر

ٹوٹے کہ اگرچہ کئی توپیں متواتر داغی جا رہی تھیں - مگر اُن کا ہجوم کسی طرح کم نہ ہوتا تھا - انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ بارود خانہ ہاتھ سے نہ نکلے - لیکن کچھ پیش نہ گئی اور آگ لگانے پر مجبور ہو گئے وہ وقت بھی اس بدنصیب گروہ کے لئے عجیب ہولناک تھا - موت آنکھوں کے سامنے تھی اور ہزاروں ارمان دل میں - ایک نے دوسرے کو بکمال حسرت و یاس دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں الوداع کہہ دی - اس سردار اعظم نے فتیلۂ روشن کو جو ہاتھ میں پکڑا تھا - فوراً بارود کے خط پر لگا دیا - جس سے ایک چشم زدن میں تمام بارود خانہ بھڑسے اُڑ گیا - بجز چند آدمیوں کے جن کی جان بچ جانا ایک قسم کا معجزہ ہے اور سب وہیں جل بھن کر رہ گئے ؎

خلاصہ یہ کہ چودھویں تاریخ ظہر کے وقت جب فیلبان ظہر کے وقت ہمارے پاس آیا تو بہ سبب شدت گرسنگی ہم اپنی خودداری کو بھول کر اُس کی طرف اس خیال سے دوڑے کہ شاید کوئی چیز کھانے کی ہمارے لئے لایا ہو - لیکن جب معلوم ہوا کہ ہاتھ خالی ہیں تو ایک ایک کے چہرے پر مردنی چھا گئی - نبضیں ساقط ہو گئیں کلیجہ بیٹھ گیا ؎

پانچواں حادثہ

یہ دُنیا کیا ہے؟ اِک منظر ہے رنج و یاس و حسرت کا
نمودِ ہستی موہوم اِک جھونکا ہے غفلت کا

ہم فیلبان کی طرف دوڑے تو اِس خیال سے تھے کہ وہ کوئی غذا ہمارے واسطے لایا ہوگا۔ وہاں بدقسمتی رزق بند کر کے ایک نئی مصیبت کا پہاڑ سر پر گرانے والی تھی۔ اس کے چہرے کے آثار معلوم کر کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ شوہر نے پوچھا:۔

شوہر۔ فیلبان۔ تمہارا کیا حال ہے؟

فیلبان۔ سرکار کیا عرض کروں؟

اِتنا کہہ کر وہ سیدھا کمرے کے اندر داخل ہوگیا اور تمام توشکوں اور گدوں کو اُٹھا کر چارپائیوں پر پھیلانے لگا۔ میں نے کہا۔ محمد یہ کیا کرتا ہے؟

فیلبان۔ تم لوگ جلدی اِن چارپائیوں کے نیچے گھس جاؤ اور چاروں طرف سے توشکوں کو ڈھک لو۔

ہم لوگ یہ سنتے ہی پلنگوں کے نیچے ہو رہے۔ مگر میری لڑکی برابر نالہ و فریاد کئے جاتی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی "اگر بارود خانہ جل گیا۔ ہتھیار خانہ پھک گیا تو میرا شوہر کیا ہوا۔ للہ بتاؤ کوئی۔ میرا شوہر

کیا ہوا؟"

ہم نے زبردستی اس کا منہ بند کیا اور اپنے ساتھ لے کر پلنگوں کے نیچے چھپ گئے - یہ پلنگ چونکہ زمین سے زیادہ اُونچے نہ تھے - اس لئے مجبوراً پیٹ کے بل زمین پر لیٹنا پڑا - فیل بان نے تمام تو شکیں ہمارے اُوپر ڈال دیں - اور تمام سامان جس سے دشمنوں کو کوئی شبہ ہوتا - دم بھر میں غائب کر دیا - تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ظالم ہندوستانی دھم دھم کرتے کمرے میں آگھسے - ہم اگرچہ ان کو دیکھتے تو نہ تھے - لیکن ہتھیاروں کے باہم ٹکرانے کی آواز - پاؤں کی آہٹ اور بات چیت کی صدا برابر سُن رہے تھے ؎

ایک - لینا - کہاں ہیں - کافر بچے؟

دوسرا - ایک کو زندہ نہ چھوڑنا ؎

تیسرا - بھاگ گئے ؎

چوتھا - بھاگ کر کہاں جائیں گے - اسی کمرے میں ڈھونڈو ؎

پانچواں - اِس کمرے میں ہوتے تو کیا سوئی تھے جو نہ ملتے؟

اِس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے وہ دیوانے کتے کی طرح اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر سارے کمرے میں بھاگے بھاگے پھرتے تھے لیکن جب ہمارے ملنے سے مایوسی ہوئی تو سب خاموش ہو گئے اس وقت ہمارے فیلبان کی بن آئی - از روئے تمسخر کہنے لگا :-

فیلبان - کہو - ہم نے کیا کہا تھا - دھوکا کھا کر فضول اپنے آپ کو

زحمت و پریشانی میں ڈالا۔ ہماری ایک نہ سُنی۔ میں برابر کہے جاتا تھا کہ وہاں ایک بھی فرنگی نہیں۔ اگر ہوتے تو میں تم سے چھپا رکھتا۔ مگر باوجود مسلمان ہونے کے تم نے ایک نہ میری قسم کا یقین کیا۔ بھلا یہ تو سوچا ہوتا۔ میں اور دشمنوں کو پناہ دیتا۔ تمہارے ساتھ ہو کر قتل کرنے کے لئے تو گیا اور اُلٹا انہیں چھپاتا۔ خدا کو دیکھا نہیں۔ مگر عقل سے تو پہچانا ہے۔ ہم ہندوستانیوں میں یہی تو خرابی ہے کہ ایک کی بات پر ایک کو بھروسہ نہیں۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ میرے کلام کی تصدیق ہو گئی۔

حق بات یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان تمام دنیا کی ملتوں سے کم جھوٹ بولتے ہیں اور جب کسی بات پر قسم کھالی جاتی ہے تو پھر کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں۔ اگرچہ ہمارے فیلبان نے باغیوں کے سامنے قسم کھالی تھی کہ اِس کمرہ میں کوئی فرنگی نہیں ہے تو وہ ایک حد تک اپنے قول و قسم میں سچا تھا۔ کیونکہ ہم لوگ بظاہر کمرے میں نہ تھے۔ بلکہ توشکوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔ فیلبان نے اگرچہ بہت کچھ چڑھائی۔ مگر باغیوں کو اطمینان نہ ہوا اور مثل اُن چوروں قلیوں کے جو ریلوے اسٹیشنوں پر بوریوں میں سیخیں مار کر یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر کیا مال ہے۔ انہوں نے بھی اپنی تلواریں توشکوں اور چارپائیوں میں گھسانی شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک تلوار کی نوک میرے بازو میں لگی۔ اور خون جاری ہو گیا۔ میں نے خوف و دہشت سے دم نہ مارا

فیل بان پریشان تھا کہ مبادا ہم میں سے کوئی بیتاب ہو کر چلا اُٹھے اور سارا بھید کھل جائے ؛

ایک مرتبہ وہی فیلبان چلایا۔ "لے لینا لے لینا۔ کافروں کے کتے باغ میں نظر آتے ہیں" یہ سنتے ہی وہ سب کے سب نکل کر بھاگے فیلبان کمرے کا دروازہ بند کر کے اُن کے پیچھے پیچھے گیا اور غل مچانے لگا "وہ باغ کی دیوار کود کے نکلے۔ کیا کر رہے ہو۔ جلدی کرو۔ کافر نکلنے نہ پائیں۔ دوڑو جوانو۔ دوڑو" ؛

جب باغیوں کی جماعت اِس حیلے سے باغ کے باہر ہو گئی تو اس نے فوراً باغ کا دروازہ فوراً بند کر دیا اور ہمارے پاس لوٹ آیا اور کہا کہ اب تم لوگ پلنگوں کے نیچے سے نکل آؤ۔ ہم سب نے اس کی اس تدبیر پر تحسین و آفرین کی اور اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔ جب کسی قدر دل ٹھکانے سے ہوا۔ تو سب نے بھوک سے بے چینی کا اظہار کیا۔

میں ۔محمد۔ اب جان چلی۔ اگر تھوڑی دیر اور غذا نہ ملے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے۔ جس طرح ممکن ہو۔ تھوڑے سے چاول ہمارے لئے بہم پہنچاؤ ؛

فیلبان ۔تا وقتیکہ تاریکی شب پردہ نہ ڈالے۔ یہ ناممکن ہے کہ میں آپ لوگوں کے لئے کوئی غذا فراہم کر سکوں ؛

میں ۔ یہ کیوں ؟

فیلبان ۔میم صاحبہ۔ آپ کو کیا خبر ہے۔ آج داروغہ نے مجھے بلا کر بہت

ڈانٹا اور کہا - اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا کہ تیرے صاحب لوگ کہاں چھپے ہیں اور مجھے معلوم ہو گیا تو یاد رکھنا - گردن مار دونگا"

میں - اچھا - پھر تم نے کیا کہا ؟

فیلبان - کہتا کیا - یہی کہا کہ میں بقسم کہتا ہوں - مجھے اُن کا پتہ صرف دلی دروازہ تک معلوم ہے - اس کے بعد چونکہ میں اُن سے جدا ہو گیا لہذا خبر نہیں کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں - مر گئے یا جیتے ہیں - شہر میں ہیں یا نکل گئے ؟

میں - محمد - تو نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی کی ۔

فیلبان - خیر - یہ تو ہو گیا - اب سنئیے - اسی داروغہ نے آج خاص طور سے یہ حکم دے دیا ہے کہ خوب اچھی طرح دہلی میں انگریزوں کی تلاش کرو - گوشہ گوشہ ڈھونڈو اور جو انگریز جس جگہ ملے - مرد ہو یا عورت - جوان ہو یا بوڑھا - لڑکا ہو یا لڑکی سب کو تہ تیغ کر دو - جو شخص سر کاٹ کر داروغہ کے پاس لے جائیگا - اس کو مرد کے سر کا تین سو روپیہ - عورت کے سر کا دو سو پچاس روپیہ اور لڑکے کے سر کا دو سو انعام ملے گا ۔

ہم لوگ اس خبر کے سنتے ہی کانپ گئے اور کچھ ایسے پریشان ہوئے کہ بھوک پیاس سب جاتی رہی - فیلبان یہ حالت مشاہدہ کر کے بے حد پشیمان ہوا اور تسلی کی غرض سے کہنے لگا ۔

فیلبان - تم کو بہت زیادہ پریشان نہ ہونا چاہیئے - رحمت خدا

پر نظر رکھو۔ باغیوں نے ابھی اُن ہی لوگوں کو قتل کیا ہے جو شہر کے اندر تھے۔ باہر کے گروہ پر ابھی قبضہ نہیں پایا۔ یقین ہے کہ انگریزی فوج جلد مجتمع ہو کر نہایت قوت و سطوت کے ساتھ دہلی پہنچنے والی ہیں۔ اِن سے باغیوں کو قرار واقعی سزا مِل جائے گی۔ اور تم سب لوگ آزاد ہو جاؤ گے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک میری جان میں جان ہے تمہاری رفاقت سے ہرگز مُنہ نہ موڑوں گا اور تم کو اِس ورطۂ ہلاکت میں تنہا نہ چھوڑونگا۔ ہاں اگر قتل کر ڈالا گیا تو مجبوری ہے۔ اس گھر کا مالک علی جو میرا ہم مذہب اور خالص دوست ہے۔ خفیہ طور پر اس بات کو جانتا ہے کہ تم لوگ یہاں پوشیدہ ہو۔ لیکن وُہ اِس کو زبان پر نہیں لاتا اور تجاہل عارفانہ کر رہا ہے۔ آج صبح جب میری اُس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ میں اِن لوگوں کو صرف ۴۸ گھنٹے اور اپنے گھر میں پناہ دے سکتا ہوں۔ اِس مدت کے گذرنے کے بعد اُن کو یقیناً میرا گھر چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اِس کا ذرا غم نہ کرو اور کوئی خطرہ دل میں نہ لاؤ۔ انشااللہ میں اِسی اڑتالیس گھنٹے کی مدت میں تمہارے لیئے کوئی دوسری پناہ کی جگہ تلاش کیئے دیتا ہوں۔ بلکہ اس فکر میں تو ابھی جاتا ہوں۔

یہ کہہ کر فیلبان چلا گیا اور دن قریب پہنچا۔ اس رات کی صورت ہم لوگوں نے جس اضطراب و پریشانی کے عالم میں دیکھی خدا کسی کو نہ دکھائے۔ ابھی صبح سے اِس وقت تک قالب بے روح

کی طرح خاموش پڑی ہوئی تھی۔ نہ کسی سے بولتی تھی نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی۔ کبھی کبھی سرد آہوں کے ساتھ یہ لفظ زبان سے نکل جاتے "ہتھیار خانہ جل گیا"۔ صبح سے شام تک اس کو ایک ہی مقام پر بیٹھے بیٹھے گذر گیا تھا۔ صرف اتنی دیر کے لئے دستم کھانے کو اٹھی تھی۔ جب باغیوں کی آمد کے وقت فیلبان نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر پلنگ کے نیچے ڈال دیا تھا:

وہ لڑکا جو ہمارے ساتھ تھا۔ بے خبر پڑا سو رہا تھا اور عورتیں بیچاری اپنے زخموں کی تکلیف سے برابر روئے جاتی تھیں۔ جسم بخار سے پھنک رہے تھے۔ وہ ہماری طرح بہ سبب حرارت کی زیادتی کے بھوک سے بے چین نہ تھیں:

ہمارے شوہر صاحب برابر ٹہلتے ہی جاتے تھے۔ اُن کا خیال شاید یہ ہوگا کہ حرکت کرنا اور ٹہلنا جیسا کہ مشہور ہے جملہ اوقات میں بھوک کو بڑھاتا ہے۔ شاید غلبۂ بدبختی کے وقت برخلاف جملۂ اوقات کے بھوک کو روک دے۔ لیکن میں اس قدر فلسفی نہ تھی۔ میرا معدہ خالی اور عقل ہوا تھی۔ کبھی لیٹ جاتی تھی کہ شاید دو گھڑی نیند آ جائے اور بھوک کی تکلیف سے کچھ دیر نجات مل جائے۔ کبھی اُٹھ بیٹھتی تھی اور پیارے بچے ویل کی یاد دل کو برما دیتی تھی۔ دل میں کہتی تھی۔ نہ معلوم اس معصوم پر کیا گذری ہوگی۔ کس کے پاس ہوگا۔ چاروں طرف نظر اُٹھا کر مجھے دیکھتا ہوگا اور رہ جاتا ہوگا۔ جانے کسی ظالم نے کچھ کھانے

کو بھی دیا ہوگا یا میری طرح سے وہ بھی بھوک سے تلملاتا ہوگا ؛

بھوک کی شدت سے یہ حالت تھی کہ لڑکے کی شکل وصورت میرے خیال سے محو ہو گئی تھی۔ بہت خیال کرتی تھی۔ جب دماغ پر زور دیتی تھی۔ مگر اس کی صورت کا نقشہ ہی ذہن میں نہ آتا تھا ؛

کسی حکیم کا قول ہے کہ خصائل انسانی اور خصائل بشری اسی وقت تک اس کی ذات میں ہیں اور خواص باطنیہ اور قوت مدرکہ اسی گھڑی تک اس کے دماغ کے ساتھ ہیں۔ جب تک کہ اس کا بدن اپنی ضروریات سے محروم نہ رکھا ہو اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی جسم انسانی کسی مصیبت کا شکار یا کسی مانع راحت وآرام کا مورد ومقام بن جائے۔ تو اس کے حواس یک قلم ضائع ہو جاتے ہیں۔ اپنے اس کی نظر میں عیز اور قواعد وآئین مذہب اس کے عقیدے میں ایک افسانہ بن جاتے ہیں ؛

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وقتِ جانکنی جب انسان کی زبان بند ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں تو وہ اس درد کی علامت ہے۔ جو اس کو مفارقت احباب واعزا سے پہنچ رہا ہے چونکہ کوئی مردہ زندہ ہو کر نہیں آیا کہ ہم کو احتضار کی حالت اور بدن سے افتراق روح کی کیفیت واذیت کی خبر دیتا۔ اور یہ بتاتا کہ اس کا گریہ کس وجہ سے تھا۔ اس لئے خواہ مخواہ لوگ اس عقیدے پر جمے ہوئے ہیں ورنہ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ وہ گریہ نہ پسماندوں کے لئے ہوتا

ہے نہ دوری احباب کے لئے نہ جورو کے لیئے نہ اولاد کے لئے۔ بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے کہ ایک روشن عالم سے تاریک عالم کی طرف جا رہا ہے۔ جس کی بابت اسے مطلق کچھ معلوم نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ وہاں کیا کیا مصائب اس پر نازل ہوں گے۔

اس خیال کا میرے دل میں آنا تھا کہ ایک چیخ مُنہ سے نکلی اور سینہ میں کلیجہ لرز گیا۔ چاہتی تھی کہ اُٹھ کر اپنے شوہر کے پاس جاؤں کہ پاؤں لرزے اور سر چکرا کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ڈگمگائی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ کئی منٹ کے بعد کسی قدر افاقہ سا معلوم ہوا۔ لیکن ابھی بول نہ سکتی تھی۔ اسی نیم غفلت کے عالم میں دیکھا کہ شوہر مجھے زمین پر پڑا دیکھ کر میرے پاس آیا اور اپنا زانو زمین پر رکھ کر سرا ہنے بیٹھ گیا۔ بار بار جھک جھک کر پوچھتا تھا۔ آنکھوں سے برابر اشکوں کے قطرے میرے چہرے پر گر رہے تھے۔ اس کی اس حالت نے میرے قلب کو اور زیادہ ایذا دی۔ چاہتی تھی کہ کچھ بولوں مگر زبان نہ کھلتی تھی۔ بھوک نے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ بڑا صبر کر کے آہستہ سے کہا۔ "کیوں روتے ہو۔ میں تو اچھی ہوں"

جب اس نے دیکھا کہ اب میں حالت طبعی کی طرف لوٹ رہی ہوں تو مزید تقویت و تسلی کے لئے کہا "فیلبان۔ فیلبان۔ جلدی بیگم صاحبہ کے لئے کھانا لاؤ" یہ میں جانتی تھی کہ فیلبان کہاں اور کھانا کیسا؟ مگر شوہر کے اتنے کہنے نے دل کو بہت زیادہ تقویت پہنچائی۔

پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالے اور دو مٹھی اشرفیاں نکال کر مثل اس بھوکے شیر کے جو پنجرے میں بند ہو چاروں طرف پھرنے لگا اور زور زور سے کہتا تھا "جو شخص مجھے اس وقت ایک مٹھی چاول دیدے - میں یہ دو مٹھی سونا اس کی نذر کر دوں" اسی طرح کہتا ہوا وہ کمرے کے دروازے کے قریب گیا اور پھر اُس کو کھول کر باہر نکل گیا - میں نے شور مچانا شروع کیا کہ خدا کے واسطے کوئی اِن کو پکڑو - یہ کہاں جا رہے ہیں - مگر وہاں کون روکتا ؟ مجبور ہو کر باوجود ضعف و ناتوانی کے خود ہی روکنے کو اُٹھی - لیکن بدن میں اتنا کس کہاں ؟ دو قدم ہی چلی ہوں گی کہ پھر تیورا کر گر پڑی - گو وہ پانچ منٹ سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہرا - مگر میرے لئے یہ پانچ منٹ پانچ سال کیا بلکہ پانچ قرن سے بھی زیادہ طولانی تھے - وہ میری طرف نہایت تیزی سے کوئی چیز اپنے دامن میں بھرے آ رہا تھا جب قریب آیا تو کچھ نارنگیاں اور ہندوستانی میوے اس کے پاس نظر آئے۔

شوہر - لو - یہ پھل کھاؤ - تمہارا تو بھوک سے اور بھی پتلا حال ہو گیا دیکھو تو کیسی رسیلی اور شیریں نارنگیاں ہیں۔

میں - بھلا - میں اکیلی کیسے کھا لوں - میری بچی اور وہ کم سن لڑکا تو بھوکے پڑے رہیں - سب سے پہلے میں ہی ہپ کرنے کو بیٹھ جاؤں سب کو بلاؤ - میں بھی کھا لوں گی - یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو ہم کو اسوقت بے کسی میں بہم پہنچی ہے - اِس کا شکریہ بس یہی ہے

کہ سب مِل جل کر کھائیں ؛

شوہر - (دونوں عورتوں - ایلین اور لڑکے سے مخاطب ہو کر) آؤ تم سب یہیں چلے آؤ - تھوڑا تھوڑا کھا کر دم روک لو ؛

میرے شوہر کے بلانے سے اور تو سب آ گئے - مگر ایلین اپنی جگہ سے نہ ہلی اور اسی جگہ بیٹھی رہی - لڑکا بیچارہ سو رہا تھا - اُس کا جگانا مناسب نہ سمجھا - ہم نے ان دونوں کا حصّہ علیحدہ کر کے رکھ چھوڑا - اور باقی کو شکر خدا کر کے کھا لیا - دن بھر تو خالی معدہ ہونے کی وجہ سے نیند آتی ہی کیوں - اب جو غذا پہنچی تو خواب نے غلبہ کیا اور ہم سب پڑ کر سو گئے اور صبح تک سوتے رہے - فیلبان نہ تو اُس رات کو آیا نہ صبح کو اور ۴۸ گھنٹے والا وعدہ ختم ہونے کے قریب پہنچا ہمیں بالکل علم نہ تھا کہ وُہ محبوس ہے یا گرفتار - جیتا ہے یا مر گیا - جوں وقت گذرتا جاتا تھا - ہمارے اضطراب میں زیادتی ہوتی جاتی تھی - یہاں تک کہ وُہ دن بھی گذر گیا اور رات کی سیاہی صفحۂ عالم پر دوڑ گئی - میرا شوہر کل کی طرح پھر میوے کی تلاش میں باغ کے اندر گیا اور تھوڑی دیر میں علاوہ میوے کے چند تربوز بھی ہمارے واسطے لایا - ہم نے ان کو نہایت خوشی سے کھایا اور فیلبان کے منتظر رہے ؛

تعجب تو مجھے اپنی لڑکی کی حالت پر ہے کہ اِس خدا کی بندی کو کچھ کھانے کا غم ہی نہ تھا - ہماری یہ حالت تھی کہ بھوک سے پیٹ پھٹتے تھے اور وُہ اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لاتی تھی - میرا خیال یہ ہے

کہ چونکہ شوہر کی مفارقت کا صدمہ اس کے دل پر بیحد تھا۔ اس لئے اسے اس تکلیف کے سامنے بھوک کی تکلیف کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ مجھے بار بار یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ ایک تو یہ غم اور پھر اس پر چوبیس گھنٹے صاف اُتر گئے۔ یہ جیئے گی یا مرے ؟

میں (ایلین سے مخاطب ہو کر) بچّی تو کس بلا کی ضدن ہے۔ کل سے ناک رگڑ رہی ہوں کہ کچھ کھالو۔ اول تو ہے ہی کیا۔ خود ہی فاقہ پر فاقہ ہو رہا ہے اور جو اچھا بُرا تھوڑا بہت خدا کی عنایت سے بہم پہنچتا ہے تو کھاتی نہیں۔ آخر تیری جان کیسے رہے گی ؟ (ہاتھ پکڑ کر) اُٹھ چل اب اس غم کو دُور کر۔ تیرے نہ کھانے سے کیا جو مقدر میں لکھا ہے۔ مٹ جائیگا۔ اچھی خاصی سمجھ دار ہو کر نادان بنی جاتی ہو۔ اس رنج میں یہ حالت بنالی ہے کہ صورت تک نہیں پہچانی جاتی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تپ دق کی بیمار رہے۔ آئینہ ہوتا تو صورت دکھاتی ؟

ایلین ۔ اماں جان ! تم کیوں میرے دُکھے دل کو اور دُکھاتی ہو میں کسی سے کچھ کہتی تو نہیں۔ سب سے الگ ایک کونے میں کلیجہ دبائے بیٹھی ہوں۔ مجھے بھوک ہوتی تو خود مانگ لیتی۔ کھانا پینا سب خوشی میں اچھا لگتا ہے۔ میں تو خدا سے دُعا مانگتی ہوں کہ جلد مجھے دُنیا سے اُٹھالے۔ مگر میں بدنصیب فلک ستائی ایسی خوش قسمت کہاں کہ مرجاؤں۔ ابھی تو نہیں معلوم۔ کہاں کہاں جانا ہے۔ کیا کیا جھکے جھولنے کھانے باقی ہیں۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھ

سے بولو مت - چُپ بیٹھا رہنے دو - میرے کلیجے میں اتنی طاقت نہیں کہ کسی کی بات کا جواب دوں - جی چاہتا ہے کہ کپڑے پھاڑ کر کہیں بھاگ جاؤں یا اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لوں ؛

میں - ایلین - ایلین - مت ایسی دیوانوں کی سی باتیں کرو اماں واری گئی - ایک ذرا سا تربوز کھالے - دیکھ تو تیرے بغیر حلق میں بھی زہر ہو کر اُتر رہا ہے - ذرا تو اس سے دل کو تری پہنچے گی - بس زیادہ ہٹ اچھی نہیں ہوتی - کیوں ہم مرتوں کو اس عالم بیکسی میں مارتی ہے ؛

ایلین - تم میرے سر ہو گئیں - لاؤ کہیں تمہارا کہنا کر چکوں ؛

یہ کہہ کر اس نے قاش تربوز کی میرے ہاتھ سے لی اور کھا گئی اب میرے دل کو کچھ اطمینان ہوا - لیکن اس لڑکے نے نہ میوہ کھایا نہ تربوز - پکے ہوئے چاول برابر مجھ سے مانگے جاتا تھا - بدقت تمام میں نے بہلا پھسلا کر کل کے وعدہ پر خاموش کر کے سُلا دیا ؛

تین شب و روز ہم اس گھر میں پوشیدہ رہے اس کے سوا اور کوئی تکلیف ہم کو نہ ہوئی - اس رات میرا شوہر اور وہ دونوں زخمی عورتیں اور لڑکا سب سویرے ہی پڑ کر سو رہے - لیکن مجھے نیند نہ آئی چارپائی پر برابر کروٹیں بدلتی رہی - اگرچہ مجھ سے بات چیت نہ ہوئی مگر یہ بخوبی جانتی ہوں کہ ایلین بھی برابر میرے ساتھ جاگتی رہی ہے - دم بھر کو بھی اس کی پلک شاید نہ جھپکی ہو گی - گو وہ مجھ سے

فاصلے پر تھی۔ مگر اس کے اُٹھنے بیٹھنے اور کروٹیں بدلنے کی آواز کان میں آرہی تھی۔ چونکہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے سودے میں غتر بود تھا۔ اس لئے ایک کو دوسرے سے بولنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ فرق اتنا تھا کہ میری لڑکی موجودہ حالت کے خیال ہی میں تھی اور میں آئندہ کی فکر میں۔ کبھی تو اس خیال سے دل کو تسلی دیتی تھی کہ جب انگریزی لشکر باغیوں پر غلبہ حاصل کرلے گا اور شہر دہلی میں امن و امان قائم ہوگا۔ تو پھر اپنے گھر کو ویسا ہی دلفریب اور شاندار بنائیں گے جیسا کہ پہلے تھا۔ میرا امداد اپنی دلیری اور خیر خواہی کی وجہ سے نیابت کے عہدے سے کسی بڑے منصب پر پہنچ جائے گا اور نہایت شان و شکوہ کے ساتھ ایلن کو بیاہنے آئے گا۔ میں اپنے شوہر اور لڑکے کے ساتھ ایک جہاز میں سوار ہوکر انگلستان جاؤں گی اور وہاں اپنے بچے کو بغرض تحصیل علم کسی اسکول میں داخل کروں گی ؛

یہ شیخ چلی کے سے منصوبے میں بڑی بڑی باندھ رہی تھی۔ کہ دروازے سے ایک صدائے مہیب پیدا ہوئی۔ میں نے خوف سے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں اِس مرتبہ بھی دم سادھے پڑی رہی۔ تیسری بار پھر زور سے ایک آواز آئی۔ اور باہر کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ اَب کی مرتبہ کھٹکھٹاہٹ سے میرے شوہر کی بھی آنکھ کھل گئی ؛

شوہر - یہ دروازہ کون کھٹکھٹاتا ہے ؟
میں - خدا جانے کون ہے - تین بار یہ آواز آچکی ہے - میں نوجانوں اب کی بار باہر کا دروازہ کھل گیا ؎
شوہر (کان لگا کر) یہ تو صحن میں کسی کے چلنے کی آواز آتی ہے - غور تو کرو - ایک ہی آدمی ہے یا کئی ہیں ؎
میں - ایک کیوں - یہ تو کئی معلوم ہوتے ہیں ؎

ایک منٹ کے اندر وہ آنے والے کمرے کے دروازے کے قریب آگئے - اور ایک نے دروازہ پر دستک دی - میں نے آہستہ سے پوچھا "اب کیا کرنا چاہیئے" اس نے کہا - بے کھٹکے دروازہ کھول دو - اگر یہ لوگ دشمن ہوتے اور ہماری اذیت کے خیال سے آتے تو اِس قدر ہلکے ہلکے قدم نہ رکھتے اور نہ ایسے آہستہ سے دستک دیتے - مجھے بھی یہ رائے پسند آئی - اُٹھی اور دل کڑا کر کے دروازہ کھول دیا - دیکھا کہ دو ہندوستانی عورتیں سفید چادریں سروں پر ڈالے اِس طرح کھڑی ہیں جیسے کوئی مردہ قبر سے نکل کر آرہا ہے - دروازہ کھلتے ہی وُہ بغیر کچھ کہے سُنے کمرے کے اندر چلی آئیں اور زمین پر بیٹھ گئیں - اِن میں سے ایک نے صندوقچہ اپنی بغل سے نکالا اور چند سفید چادریں جو ہندوستان میں ہندو مسلمان عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کی غرض سے اوڑھتی ہیں - نکال کر ہم سے کہا "تم لوگ اِن چادروں کو اوڑھ لو اور ہمارے پیچھے پیچھے چلی آؤ" ؎

میرا شوہر۔ ہم کو کہاں تک تمہارے پیچھے چلنا ہوگا ؟
ایک عورت ۔ جہاں محمد فیلبان تمہارا انتظار کر رہا ہے ؞

محمد فیلبان کا نام سنتے ہی جان میں جان آ گئی ۔ بدظنی و وحشت یک قلم زائل ہو گئی ۔ خوشی خوشی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور چادروں کو جسم پر خوب لپیٹ کر ان دونو عورتوں کے پیچھے چل دئے ؞

چھٹا حادثہ

رگڑوائیں یہ مجھ سے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ جادۂ راہِ وطن بگڑا

یہ فلک کا ستایا ۔ آفت کا مارا قافلہ دہلی کے کوچے طے کرتا ۔ سڑکوں سے گذرتا تباہ حال و پریشان صورت چلا جاتا تھا ۔ ہر قدم پر دل کو یہی دھڑکا تھا کہ اگر کسی نے پہچان لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے ۔ ہمارے ہم وطنوں کا اس قدر خون بہایا گیا تھا کہ کوچوں کی خاک خون سے ایسی تر بتر تھی کہ کیسی ہی باد تند چلتی ۔ وہاں سے ایک ذرہ گرد و غبار کا بلند نہ ہو سکتا تھا ۔ کتے اور کوے جا بجا لاشوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے تھے ۔ کہیں کسی کا ہاتھ کٹا پڑا تھا ۔ کہیں کسی کا سر کسی کا دھڑ پارہ پارہ اور کسی کا سینہ چاک چاک تھا ۔ کبھی کبھی بہت سے کتے اور گیدڑ راہ میں ملتے تھے جو اپنی خوراک کی کثرت دیکھ کر خلاف

عادت بغیر غرائے جھنجھلائے اتفاق کے ساتھ اپنا اپنا پیٹ بھر رہے تھے اور گدوں اور کوؤں کے ساتھ مقتولوں کے اعضاء کی تقسیم میں شریک تھے ؛

اِس خوفناک منظر کو دیکھ کر دل ٹکڑے ہو گیا۔ کلیجے میں ناسور پڑ گئے۔ روئے جتنا رویا گیا۔ افسوس کیا جس قدر ہو سکا ؛

الغرض صبح کی روشنی نمودار ہوئی اور شہر دہلی کے رہنے والے خدا کی پرستش کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ ہندو اشنان کے لئے دریا کی طرف جاتے تھے اور مسلمان فریضۂ سحری ادا کرنے کے لیئے مساجد کی طرف چلے تھے۔ کوئی بھی اِن دونو فرقوں میں ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ فریضہ سے فراغت حاصل کر کے اوّلاً تو کفار پر غلبہ دینے کا شکریہ درگاہِ الٰہی میں ادا کریں گے۔ پھر سلاح حرب وضرب کو درست کر کے ہم انگریزوں کی خونریزی کے لئے ایک ایک گھر اور ایک ایک کوچے میں چکر لگائیں گے اور ہم بدبختوں میں سے جہاں جس کو پائیں گے۔ تلواروں سے ٹکڑے کر دیں گے۔ وُہ ہندوستانی عورت جو ہماری رہنما بنی ہوئی آگے آگے جا رہی تھی کہنے لگی کہ جہاں تک ہو سکے۔ جلدی قدم اُٹھاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دن پھیل جائے ہم اس کی ہدایت کے بموجب نہایت تیزی سے چلے جاتے تھے۔ جہاں تک کہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے پہنچے۔ جو درمیان راہ میں کھڑا تھا اور اس کی گھنی شاخیں تمام راستے پر چھائی ہوئی تھیں ؛

باغیوں کی ایک فوج کو ہم نے دیکھا کہ بندوقیں لئے اس درخت کی مقابل والی مسجد کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ سب پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں۔ راستہ ہمارا انہیں لوگوں کے درمیان سے ہو کر جاتا تھا۔ میرے شوہر نے اس ہندوستانی عورت سے کہا کہ کیا ہم کسی دوسرے راستے سے نہیں جاسکتے؟ مجھے خوف ہے کہ اگر ان کے درمیان سے گذرے تو ضرور ان میں سے کوئی نہ کوئی تم کو پہچان لے گا۔ اس نے کہا۔ اس کے سوا کوئی نجات کی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم لوگ اس درخت کے نیچے اس وقت تک مقیم رہیں کہ یہ فوج یہاں سے حرکت کر کے راہ کو خالی کر دے۔

یہ بات سب کو پسند آئی اور اسی درخت کی آڑ میں ہو رہے ۔

میں۔ (ہندوستانی عورت سے) کچھ تو تم کو یہ بھی پتہ ہے کہ یہ فوج کیوں پڑی ہوئی ہے؟

عورت۔ کل چند انگریز اس مسجد میں پناہ لینے کی غرض سے آگھسے تھے۔ اطلاع ملنے پر یہ فوج ان کی گرفتاری کے لئے بھیجی گئی تھی۔ شام تک ایک ایک کا کھوج نکال کر سب کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ رات ہو گئی تھی۔ اس لئے یہیں شب باش ہو گئے۔ اب طلوع سحر کے منتظر ہیں کہ ذرا روشنی ہو تو کابلی دروازہ کی طرف جا کر انگریزوں کی اس مختصر پلٹن سے جا بھڑیں جو شہر پناہ کے باہر پڑی ہوئی ہے ۔

میں۔ اگر یہ لوگ زیادہ عرصہ تک رُکے اور آفتاب نکل آیا۔ تو ہم لوگ ضرور پہچانے جائیں گے۔ کیونکہ ہماری چادریں چھوٹی ہونے کی وجہ

سے صرف گھٹنوں ہی تک ہیں - نیچے سے عورتوں کا سایہ اور مردوں کا پاؤں برابر نظر آتا ہے ؛

عورت - فی الحال اِس کا تو کوئی بندوبست ہو نہیں سکتا - اگر مقدر میں قتل ہی ہونا لکھا ہے تو اس کو روکنے والا کون ؛

بہر حال اس درخت کے تنے کو غنیمت جان کر اور قضائے ربّانی پر راضی ہو کر ہم سب پڑ گئے - تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی چادر پر سُرخ سُرخ دھبے معلوم ہوئے - غور سے دیکھا تو خون ہے - سوچی - کہ یا الٰہی یہ خون میری چادر پر کہاں سے آیا - میرا تو کوئی عضو زخمی بھی نہیں اِسی فکر میں تھی کہ سر پر ٹپ ٹپ بوندیں گرتی ہوئی محسوس ہوئیں - سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک عجیب ہی منظر نظر آیا - ہر شاخ میں ایک لاش بے سر کی لٹکی ہوئی تھی - جن کے حلق ہائے بریدہ سے برابر خون کے قطرے ٹپک رہے تھے - میں گو کتنا ہی آگے پیچھے بڑھی - مگر وہاں کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ کسی مقتول کی لاش سے خون نہ گر رہا ہو ؛

لوگوں کا بیان ہے کہ ایک سو اُنیس برس قبل نادر شاہ نے اِسی درخت میں محمد شاہ کی فوج کے کشتوں کو لٹکوایا تھا - قریب تھا کہ شدّت دہشت سے میری جان نکل جائے - سارے بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا - دل سینے میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا - میں نے آج تک اِن آنکھوں سے کبھی ایک لاش بھی نہ دیکھی تھی - قسمت نے ایک بار ہی ایسے دل شکن - جگر خراش اور غم افزا مناظر سامنے کر

دئے کہ روح اِن کے تصوّر سے چیخیں مارتی ہے۔ مجھ ہی پر موقوف نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہ حالت تھی کہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔ اگر ہمارا قیام دیر تک وہاں رہتا تو ضرور فرطِ دہشت سے ایک نہ ایک مر جاتا۔ وہ تو خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ تھوڑی دیر میں حاضری کا بگل بجایا گیا اور ایک طرفۃ العین میں تمام فوج اپنی اپنی بندوقیں سنبھال کر کابلی دروازہ کی طرف چل کھڑی ہوئی اور آنے جانے والوں کے لئے رستہ کھُل گیا۔ راہ کے صاف ہوتے ہی ہم چل کھڑے ہوئے۔ کچھ راہ طے کرنے کے بعد ایک ایسے کوچے میں داخل ہوئے جس کے ایک طرف تو لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگا ہؤا تھا۔ وہ عورت اُسی طرف کو چلی اور ایک مقام پر جھک کر لکڑیوں کا پشتارہ جو ایک کنارہ پر جمع تھا۔ ہٹا دیا اور ہم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دیکھا کہ ایک دالان کی دہلیز ہے۔ جس کے اندر بہت ہی تنگ راستہ داخل ہونے کا ہے اس نے ہاتھ سے داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ ہم سب بہ مشکل تمام اِس سوراخ کے ذریعہ سے ایک پٹی ہوئی کوٹھڑی میں جو مثل ایک غار کے اندھیری گھپ تھی پہنچ گئے۔ ہوا یا روشنی کے آنے جانے کے لئے کوئی کھڑکی یا روشن دان اِس میں نظر نہ آتا تھا۔ صرف دو تین چراغ دھیمی دھیمی لَو سے ٹمٹما رہے تھے۔ جن کی روشنی اس قدر کافی نہ تھی کہ اِس مکان کی ہر ایک چیز اچھی طرح نظر آسکے ؛

اِس مکان میں پہلے جو لوگ موجود تھے۔ اُن کو ہمارا اِس مقام

پروارد ہونا بہت شاق گذرا - کیونکہ ہر ایک کی تیوری بدلی اور ماتھے پر شکن پڑی ہوئی تھی ؂

ہم اِن میں سے کسی ایک سے بھی واقف نہ تھے - اور نہ غالباً وہ لوگ ہم سے واقف تھے - البتہ جب ہمارے اور ان کے درمیان انگریزی میں گفتگو ہوئی - تو آپس میں کچھ اُنس پیدا ہوُا اور ہم نے یہ جانا کہ یہ لوگ بھی ہماری طرح ہی برگشتہ نصیب ہیں - جان کے خوف سے یہاں آکر چھپے ہیں - وہ بھی ہماری طرف سے یہ خیال کر کے مطمئن ہوگئے کہ یہ بھی ہماری تباہ حالی اور آوارہ گردی کے شریک - ہندوستانیوں کی شمشیر کے خوف سے یہاں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں ؂

اس گھر میں سب انگریز ہی انگریز تھے - ایک نیک خصلت پارسی نے محض بمقتضائے ہمدردی اس پُر آشوب زمانے میں اپنے گھر کے نیچے ایک خزانہ میں چند انگریزوں کو پناہ دی تھی - اِن غریبوں کا یہ حال تھا کہ کسی کے جسم پر ثابت پوشاک نہ تھی - بعضوں کے پاس تو پھٹا پُرانا ایک آدھ کپڑا تھا بھی اور بعض بالکل عریاں تھے - اِن میں سے کوئی ایسا نہ تھا - جس کا باپ یا بھائی - لڑکا یا کوئی عزیز ہندوستانیوں نے قتل نہ کر ڈالا ہو - میری نگاہ میں اُن کی تعداد بیس سے زائد نہ ہوگی ؂

اِس جماعت کے درمیان جوان عورت کو جو اپنے طفلِ شیرخوار کو بغل میں دبائے خشک پستان سے دُودھ پلا رہی ہے - ہم نشینی کے لئے انتخاب کر کے پہلو میں جا بیٹھی - اس کے لڑکے پر نظر پڑتے ہی مجھے

اپنا ڈیل یاد آگیا اور بے اختیار زبان سے ایک پُر درد نالہ نکل گیا۔
اس عورت نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا :-

عورت - خیر ہے بی بی - بڑے ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لے رہی ہو کیا تمہارا بچہ مارڈالا گیا یا کہیں کھو گیا ؟

میں - نہیں یہ بات نہیں ہے ؛

عورت - تم چھپاؤ تو اور بات ہے ورنہ قرینہ تو بتلا رہا ہے کہ ضرور تم داغ فرزندی دل پر لئے ہوئے ہو - میرے بچے کو دیکھ کر تمہارا آہ بھرنا ضرور اس کو ظاہر کرتا ہے ؛

میں اس کی یہ بات سُن کر ٹال گئی اور کوئی معقول جواب نہ دیا۔ ایلن اور وہ لڑکا دونوں میرے پاس ہی بیٹھے تھے - اور وہ دونو عورتیں جو ہمارے ساتھ آئی تھیں - ہم سے علیحدہ کسی دوسری جگہ میں جا بیٹھی تھیں - میرا شوہر تنہا حیران و پریشان مکان کے بیچ میں گنہگاروں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا اور کسی خیال میں ایسا محو تھا - گویا اسے کسی جگہ بیٹھنے کی فکر ہی نہیں - میں تاڑ گئی کہ اس کی خجالت و شرمساری کا صرف یہ باعث ہے کہ میں مرد ہو کر عورتوں کی طرح اِس کوٹھڑی میں کیوں آچھپا - انگریزوں کے گروہ میں مل کر باغیوں سے کیوں نہ لڑا؛

خلاصہ یہ کہ میں اپنے ڈیل کی یاد میں دیوانوں کی مانند اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی - اور ہر سوتے ہوئے بچے کو اس خیال سے ٹٹولتی تھی کہ شاید میرے ڈیل کو دایہ یہاں لے کر آگئی ہو - اور وہ پڑا ہوا

سو رہا ہو - لیکن وہاں ویل کہاں تھا جو میری آواز کا جواب دیتا۔ اِس حادثِ سانہ گردش سے اِس قدر فائدہ تو ضرور ہوا کہ ہمارے ساتھ والے لڑکے کو اس کی ایک رشتہ دار میم نے پہچان کر اپنے پاس بُلا لیا اور ہم کو اس کی خبرگیری سے نجات مِلی ٭

حکمائے نے سچ کہا ہے کہ انسان دو وقت میں خود پسند اور مغرور ہو جاتا ہے - ایک انتہائی کامیابی اور خوشی میں اور دوسرے انتہائے اندوہ غم میں - میں اِن دونو عورتوں کے علیحدہ ہونے اور اپنے شوہر و دختر کے تنہا رہ جانے سے کسی قدر مطمئن ہوئی - کیونکہ تعلقات ذمہ واری کا بوجھ فی الحال ہلکا ہو گیا - دل میں کہتی تھی - میں جو غیروں کی پرستاری میں اپنے نفس کو تکلیف دوں تو اپنے اور اپنے متعلقین کی آسائش اور آرام کی فکر کیوں نہ کروں ٭

سوکھی گھاس کا وُہ پشتارہ جو اس گھر میں ہمارا فرش بنا ہوا تھا - مخملی گدوں سے زیادہ آرام دہ معلوم ہوتا تھا - خیر - اِس کی تو کچھ فکر نہ تھی - اگر یہ بھی نہ ہوتا تو میں خاک پر سونے کو خوشی سے گوارا کر لیتی - البتہ غم اس کا تھا کہ فیلبان کہاں رہ گیا - اور کیوں نہ اب تک ہمارے پاس آیا - دایہ لڑکے کو لے کر کہاں چلی گئی اور وہ اور ویل کس حال میں ہے ٭

میں (شوہر سے مخاطب ہو کر) دیکھنا - اِس وقت میرا دل خودبخود بھرا آتا ہے - یہ جی میں آتا ہے کہ خوب جی کھول کر روؤں ٭

شوہر- کیوں خیر تو ہے کیا کوئی اور تازہ مصیبت نازل ہو گی؟

میں- موجودہ مصیبت کیا کم ہے جو اور نئی مصیبت بُلا رہے ہو فیلبان کے نہ آنے اور دولی اور دایہ کا پتہ نہ چلنے سے میری پریشانی ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ اُف۔ اگر میرا بچّہ نہ ملا تو میں کیسے جیوں گی اگر فیلبان آجاتا تو میں اس کی خوشامد درآمد کر کے کہیں تو تلاش کرنے بھیجتی۔ ہائے میرا بچّہ وہاں مجھے ڈھونڈتا ہو گا اور میں یہاں اُس کی جُدائی میں تڑپ رہی ہوں۔ اس کا پیارا مکھڑا آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے ؛

شوہر- بی بی۔ خدا کی مرضی میں کسی کا کیا چارہ ہے۔ اگر داغ فرزند قسمت ہی میں لکھا ہے تو ہمارا کیا زور چل سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ دونو ہندوستانی عورتیں جو ہم کو یہاں پہنچا گئی ہیں۔ سیدھی یہاں سے فیلبان کی طرف گئی ہوں گی۔ دیکھ لینا۔ اب تھوڑی دیر میں وہ دوڑا ہوا آتا ہے ؛

میں- خدا تمہاری زبان مبارک کرے ؛

کھانے پینے کا اِنتظام ہم لوگوں کے لئے یہ تھا۔ کہ وہی نیکدل پارسی جس کا یہ مکان تھا۔ دن اور رات میں دو دیگیں پلاؤ کی اور دو مشکیں پانی کی بھیج دیتا ہے۔ لیکن میں نے یہاں وہ نفرت خیز طریقہ پایا جس کے بیان سے شرم آتی ہے جب وقت اس کے نوکر یہ کھانا لے کر مکان میں آتے ہیں۔ تو ہمار بھوکے ساتھی یکایک ان پر ٹوٹ

پڑتے تھے۔ اور دست خود وہاں خود کی ٹھہر جاتی تھی جو آتا بے تامل
دیگ میں ہاتھ ڈال دیتا اور گرم گرم کھانا نکال کر نگل جاتا۔ چونکہ
پھونک کر کھانے میں تاخیر کا خیال تھا۔ اس لئے ہاتھ علیحدہ جلتا
تھا اور منہ علیحدہ جھلستا تھا۔ یہ ذلیل حرکات دیکھ کر میرے شوہر سے
ضبط نہ ہو سکا۔ اُٹھا اور چلّا کر کہا :-

شوہر۔ عزیز ہم وطنو! ذرا صبر سے کام لو۔ کیا یہ طریقہ حیوانوں کا سا
پسند کیا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ بدبختی اور ادبار کے وقت بھی نظم
و ترتیب اِسی طرح قائم رکھے جس طرح نیک بختی و اقبال میں متمدن
لوگ عام اِس سے کہ ذلّت کے گوشہ میں ہوں یا عزّت کے تخت پر
رسوم انسانیت اور آداب آدمیت کو کبھی فراموش نہیں کرتے انسان
کا فرض ہے۔ شرط موافقات اور رسم مواسات کا لحاظ رکھے اور ظلم و
خود پرستی سے اپنے کو بچائے۔ تم میں سے ہر ایک آدمی برابر حصّہ کا اِس
کھانے میں شریک ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم خونخوار درندوں کی طرح
دوسروں کے حق سے چشم پوشی کر کے اپنا من تازہ کرنا چاہتے ہو۔ بھائیو!
ہم میں سے ایک آدمی کو چاہیئے کہ کھڑا ہو کر اس کھانے کو مساوی
حصّوں میں تقسیم کر دے تاکہ کوئی شخص اپنے حق سے محروم نہ رہے ؛

میرے شوہر کی یہ تقریر سن کر بعض تو برملا گالیاں دینے لگے۔
مگر بعض بھلے مانسوں نے تصدیق کی اور کہا "تم ہی اِس کام کے لئے
بہت مناسب ہو۔ بے شک ہمارا موجودہ طریقہ نہایت وحشیانہ

اور ظالمانہ ہے۔ اس کا انسداد ضرور ہونا چاہیئے۔ افسوس۔ آزادی کے سلب ہوتے ہی ہماری تہذیب بھی کافور ہوگئی۔ مختصر یہ کہ میرے شوہر نے لکڑیوں کے گٹھر میں سے دو لمبی لمبی لکڑیاں نکالیں اور ان میں سے ایک کو چاقو سے مثل کفگیر کے کنارے پر سے چپٹا بنایا اور دوسری کو نوک دار اور سب سے کہا کہ ایک ایک باری باری میرے پاس آتا جائے اور اپنا حصّہ اپنے ہاتھوں لے کر چلا جائے۔ چنانچہ جو آتا تھا۔ وہ ایک لکڑی سے چاول نکال کر سب کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا اور دوسرے سے بوٹیاں۔ اس صورت سے سب کے پاس کھانا پہنچ جاتا تھا اور کسی کو کمی یا زیادتی کی شکایت نہ ہوئی اور نہ کوئی گڑبڑ مچی ۔

کسی قانون کا جاری کرنا اور انصاف کا رواج پانا ابتداءً نہایت دشوار اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب اجرا ہو جاتا ہے تو کچھ ہی مدت کے بعد اس کا شیریں اور خوش گوار پھل ملنے لگتا ہے اور مفید نتائج نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ چنانچہ یہ طرزِ عمل میرے شوہر کا ابتداءً تو اس مرہکی جماعت کو پسند نہ آیا۔ لیکن ایک تھوڑی وقت کے بعد سب نے پسند کیا اور اس کی برکت سے آپس میں اُلفت و محبت کا برتاؤ ہونے لگا۔ اب ہر شخص بے تکلف ہو کر اپنی سرگذشت با نالہ و زاری و گریہ بے قراری بیان کرنا شروع کی۔ کوئی اپنے باپ کے مارے جانے کا حال سناتا تھا۔ کوئی بھائی کا۔ کوئی

بھائی کا۔ کوئی لڑکے کا۔ کوئی شوہر کا۔ غرضیکہ اِن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو گیارہویں اور بارھویں تاریخ کے سانحہ نے کوئی نہ کوئی داغ دل پر نہ دیا ہو۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ تمام گروہ جو اس تہ خانہ کے اندر تھا عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ کوئی مرد ان کے درمیان نہ تھا۔ ہمارے یہاں آنے سے دو گھڑی پہلے داروغہ شہر اس مقام پر آیا تھا اور جو تین چار مرد اِن عورتوں کے ساتھ تھے۔ سب کو باندھ کر باہر لے گیا۔ اور جلاّدوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دئے۔ اگر ہم دو گھڑی قبل آگئے ہوتے تو انہیں مقتولوں میں میرا عزیز شوہر بھی ہوتا۔ اور داروغہ کا عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا بھی کچھ از روئے رحم و مروّت نہ تھا۔ کیونکہ عام طور پر ہندوستانیوں کو ہم انگریزوں سے خواہ وُہ کسی طبقے کا ہو۔ کسی سن کا ہو۔ مرد ہو کہ عورت ایک قلبی عداوت تھی اور یہ اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ان سے رحم کی امید کرنا امر محال ہو گیا تھا۔ اصل میں داروغہ کا اِس میں ایک خاص مطلب تھا۔ اس نے مردوں کو قتل کر کے عورتوں کو اِس لئے عام لوگوں کی نظروں سے مخفی کر دیا تھا کہ جنگ کے ختم ہونے پر جب صلح قائم ہو۔ تو عورتوں کو انگریزوں کے حوالے کر کے معقول معاوضہ حاصل کیا جائے۔

جہاں تک مجھے علم ہے تیرھویں تاریخ کو بہ نسبت گیارہویں اور بارھویں تاریخ کے کشت و خون بند ہوا اور باغیوں کی آتش

کینہ کسی قدر فرو ہوئی - مردوں کے ساتھ تو بدسلوکیاں آخر تک رہیں لیکن عورتوں سے تعرض کرنا قطعاً چھوڑ دیا تھا - کسی قسم کی کوئی اذیت نہ دی جاتی تھی - اسی تاریخ کو داروغہ کی طرف سے ایک اعلان تمام شہر کی دیواروں پر چسپاں کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا:-

چونکہ حضرت ظل اللہ سبحانی خلیفہ صمدانی سلطان المعظم خاقان الکرم بادشاہ عالی جاہ فلک بارگاہ نے انگریزوں کا قتل و قمع کرنے کے بعد تخت طاؤس پر جو موروثی جلوہ گاہ سلاطین گورگانیہ کی ہے جلوس فرمایا - لہذا اب حکم شاہی صادر ہوا کہ اب انگریزوں کے اموال و نفوس کا قتل و غارت موقوف رکھا جائے - اب احکام امن و امان جاری ہوں گے اور عدل و انصاف سے کام لیا جائے گا:-

اس اعلان کے موجب یقین ہوتا تھا کہ اب قطعاً خونریزی نہ ہو گی - مگر مجھے ان ایام میں جو مفصل سرگذشتیں معلوم ہوئیں - اُن سے یہ پتہ چلا کہ جو انگریز گیارہ اور بارہ تاریخ کو عمارت سلطانی میں پناہ گزین ہوئے تھے - اُن کے فوری قتل کا حکم اس غرض سے نہ دیا گیا کہ ظلم و جبر شہرہ کش ہو جائے گا - بلکہ ایک محفل شوریٰ قرار دے کر ان بدبختوں کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کے قبضے میں دیا گیا - چنانچہ اُس نے سب قیدیوں کو طلب کر کے اول تو کچھ یوں ہی معمولی سی پوچھ گچھ کی - بعد کو

خواہ مخواہ کا الزام عائد کر کے سب کے سر تن سے قلم کرا دئے ؛
یہ ۹۲ سالہ بادشاہ تو برائے نام ہی تخت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ نہ اس کو اقتدار سلطنت حاصل تھا نہ شان شاہی۔ نہ اس کا حکم نافذ تھا نہ امر جاری۔ البتہ اِس کی شاہی کے پردے میں ایک شخص مرزا مغل نامی جو اس کی اولاد میں سے تھا۔ مزے اُڑا رہا تھا۔ اِسی کے حکم سے خونریزی ہوئی۔ اِسی نے چمکا چمکا کر ہندوستانی فوجوں سے حملہ پر حملہ کرایا۔ داروغہ شہر جو کہ خاندان شاہی سے تھا اور انگریزوں کی طرف سے بھی اِسی عہدے پر مامور تھا بسبب ہندوستانی ہونے کے اپنے ہم وطنوں کا بیحد خیر خواہ تھا اور اپنے کام میں انتہائی سختی کو پسند کرتا تھا۔ مرزا مغل کے حکم سے جہاں جس انگریز کو پناہ گزین پاتا تھا۔ اُس کو نہایت ذلت سے باہر لاکر اوّلاً دعوت اسلام دیتا۔ اگر وہ دینِ مسیحی چھوڑ کر دینِ محمدی قبول کر لیتا تو اس کے لئے امان تھی۔ ورنہ تلواروں کے گھاٹ اتار دیا جاتا ؛
یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی کہ ہمارے بہت سے ہم وطنوں نے جان و مال کے خوف سے اپنے آبائی اور اجدادی دین یعنی ملّت مسیحی کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ خلاصہ یہ کہ پانچ روز متواتر ہم اس تہہ خانہ میں رہے لباس اور جسم اِس قدر کثیف ہو گیا تھا کہ بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ آنکھیں اِدھر اُدھر دیکھنا گوارا نہ کرتی تھیں۔ علاوہ بریں اس مکان میں وہ عفونت تھی کہ خدا کی پناہ۔

ایک تکلیف ہو تو کوئی بیان کرے - وہاں تو مصیبت پر مصیبت اور آفت پر آفت ہے - جگہ کی عفونت - مکان کی تاریکی - ہوا کی کمی گرمی کی شدّت - کپڑوں کی بوسیدگی - آدمیوں کی کثرت جان پر بنائے دیتی تھی - مختصر یہ کہ دنیا میں ہم نے دوزخ کا نمونہ دیکھ لیا ؛

گرمی کی زیادتی سے چونکہ پسینہ بہ کثرت آتا تھا - اس لئے سارا لباس جسم پر گل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا - اگرچہ ہمارے پاس روپیہ پیسہ تھا - مگر اس کے ظاہر کرنے کا محل نہ تھا - کئی بار دل میں آیا کہ صاحب خانہ سے درخواست کریں کہ ہم سے روپیہ لے کر ہماری پوشاک تیار کرا دو - مگر پھر اس خوف سے خاموش ہو گئے کہ مبادا اس کو زر و مال کی فکر و حرص دامنگیر ہو اور ہمارے قتل پر آمادہ ہو جائے ؛

اس تہہ خانہ میں اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ میری لڑکی ایلن جو ایک مدت سے بالکل خاموش تھی اور مجھے اس کی زندگی کی اُمید نہ رہی - کچھ تو بہ سبب حرارت جوانی اور کچھ بہ سبب حرارت تہہ خانہ ایک مرتبہ ہی شوہر کا نام لے لے کر رونے لگی - میں نے شکر خدا کیا کہ اس گریہ و زاری سے اس کے قلب کی گرمی اُتر جائے گی ورنہ خوف تھا کہ کہیں وُہ مجنون نہ ہو جائے - میں بہت خوش تھی کہ اس کے بعد ایلن کچھ آدمی بنے گی اور میں اور شوہر اور وہ سب مل کر اپنی خلاصی کی تدابیر سوچیں گے ؛

میں اپنی لڑکی کی جس قدر تعریف کروں وہ نہ بہ سبب علاقہ

مادری و فرزندی ہے نہ بباعث مہر و محبت قلبی - بلکہ حق یہ ہے کہ اس کی ذات مستحق تعریف ہے - مجھے اس کی عقل و فہم پہ ہر موقع پر بھروسہ رہا ہے - جب اس کا مزاج درست اور دل کسی صدمہ سے خالی ہوتا ہے تو ایسی صائب رائے دیتی ہے کہ دیکھا چاہیئے - اس کو امور خانہ داری میں ایک خاص تجربہ حاصل ہو گیا تھا - ہمارے گھر کا تمام انتظام اسی کے سپرد تھا - پھر صبر کرنیوالی ایسی کہ کیسا ہی صدمہ ہو - خود نہ جتائے - کیسی ہی تکلیف ہو لب نہ ہلائے - مختصر یہ کہ گریہ و زاری کے بعد اس کی اضطرابی حالت میں کچھ تخفیف ہوئی چہرے کی رنگت بدلی - دماغ ہلکا ہوا - زبان کھلی - میرے اور باپ کے پاس آ کر یوں مشورہ کرنے لگی :-

ایلین - اب کب تک ہم لوگ اِس جگہ احزان میں پڑے ہوئے اپنی بدقسمتی کا ماتم کریں گے ؟

میں - بیٹی - اِس میں میرا یا تمہارا کیا بس ہے - تم ہی بتاؤ - کہاں جائیں ؟

ایلین - میرے خیال سے تو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہم لوگ یہاں سے چل کھڑے ہوں - اگر خدانخواستہ داروغہ پھر آ گیا تو ابا جان کی خیر نہیں - تم اس کو جائے پناہ سمجھ رہی ہو اور میں موت کا گھر جب ہم اِس شہر میں رہیں گے چاہے کہیں چھپیں - چین ملنے سے رہا - میری مانو تو جیسے بنے شہر دہلی سے نکل چلو - ممکن ہے راستے میں انگریزی فوج اِدھر آتی مل جائے اور ہم اس کی پناہ میں آ جائیں :-

شوہر۔ بے شک ایلین بیٹا۔ تیری رائے بہت صائب ہے ضرور ہم کو اس پر عمل کرنا چاہیئے مگر میرا خیال یہ ہے کہ جب تاریکی شب پردہ ڈالے۔ ہم کو خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل کر توکل بخدا اپنے گھر کی طرف چلنا چاہیئے۔ مگر ہندوستانیوں نے اس کے لوٹنے میں کوئی کسر نہ رکھی ہوگی۔ شاید اس پر بھی کوئی چیزیں ایسی دستیاب ہو جائیں کہ ہمارے لئے آئندہ سفر میں کارآمد ہوں ؎

ایلین۔ اباجان آپ کی تجویز بالکل ٹھیک ہے ؎

میں۔ میں بھی اس خیال کی موافقت کرتی ہوں ؎

شوہر۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ فیلبان بالضرور وہیں پہنچا ہوگا اور ہمارا منتظر ہوگا ؎

ایلین۔ کیا بعید ہے؟ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ولیم بھی ہتھیار خانہ جلنے کے بعد وہیں پہنچ گیا ہو۔ میں نے کل رات ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ ہے کہ مجھے بہت جلد اپنے شوہر کی ملاقات نصیب ہوگی"

میں۔ جب سب نیک فال منہ سے نکال رہے ہیں تو مجھے بھی یہ کیوں نہ کہنا چاہیئے کہ دایہ میرے ویل کو لئے ہوئے وہیں ہمارا انتظار کر رہی ہوگی ؎

ایلین۔ ہاں اماں جان ضرور ایسا ہی ہوگا۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم سب اپنی مراد کو ضرور پہنچیں گے ؎

اتنی گفتگو کے بعد میں نے آنکھ ماری کہ زیادہ بات چیت نہ کرو

شاید اِن لوگوں میں سے کوئی واقف ہو جائے ۰

سلسلہ کلام کو بند ہوئے پانچ منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے کہ وہی عورت جو ہم کو یہاں لائی تھی اندر داخل ہوئی اس وقت کیا بتاؤں کہ میرا خوشی میں کیا حال تھا۔ جھٹ اُٹھ کر دوڑی اور اس کا بازو پکڑ کر پوچھا "ہمارا فیلبان کہاں ہے؟" یہ ہندوستانی عورتیں جو انگریزوں کی خدمتگاری کرتی ہیں۔ بقدر ضرورت انگریزوں کے چند کلمے اپنے مطلب کے اظہار کے لئے طوطے کی مانند یاد کر لیتی ہیں۔ اگر ان سے کوئی طولانی تقریر کی جائے تو اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتیں۔ لہذا اس عورت نے میرے سوال کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا۔ کہ فیلبان گرفتار ہو گیا۔ اِس سے زیادہ مطلب ادا نہ کر سکی۔ ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے لے گئے اور ہلاک کر دیا ۰

یہ سنتے ہی زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ انسان حالت طیش و بدبختی میں اوقات عیش و خوشی سے زیادہ اپنا بہی خواہ ہو جاتا ہے۔ میں نہایت خجالت و شرمساری سے یہ بات کہوں گی کہ مجھے فیلبان کے قتل ہونے نے اس درجہ مغموم و محزون نہیں کیا۔ جس قدر ان فوائد کے مسدود ہو جانے نے۔ جو ہم کو اس کی ذات سے پہنچ رہے تھے۔ اس شخص نے محض از روئے نمک شناسی و وفاداری اپنی پیاری جان کو معرض ہلاکت میں ڈالا اور فقط ہماری وجہ سے اُس کو

سزائے موت ملی ؛

اس درمیان میں کہ ہم فیلبان کے مارے جانے پر دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ ہندوستانی عورت نے اپنے چاروں طرف نظر کر کے ہمیں اشارہ کیا کہ بے درنگ و تامل اس کے پیچھے تہ خانے کے دروازے سے باہر نکل آئیں۔ ہم نے اس کے اشارے پر عمل کیا اور اس تیرہ و تار زندان سے نکل کر ایک کوچہ میں آگئے۔ وہ عورت نہایت تیزی سے قدم اُٹھاتی جاتی تھی۔ اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے رواں تھے۔ گو ہم کو اہل تہہ خانہ کی جدائی کا صدمہ ضرور تھا۔ لیکن بجز اس کے اور چارہ ہی کیا تھا نہ خود ہم وہاں رہ سکتے تھے نہ اُن کو اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ اپنی جان کا سنبھالنا دوبھر تھا اپنے ساتھ لیجا سکتے تھے۔ خیال تو کرو۔ ایک کشتی جب طوفان میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اس کے مسافر پریشان ہو کر اپنے اپنے بچانے کی تدبیریں کر رہے ہوں پس بقدرت خدا ایک ایسی چھوٹی سی کشتی جس میں صرف دسواں حصہ ان مسافروں کا سوار ہو سکتا ہو۔ نجات کے لئے مل جائے تو یقیناً ایسے وقت میں ہم جنسوں کے ساتھ نیکی کرنا اور حقوق انسانیت کو ملحوظ رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنا بچانا مقدم سمجھے گا اور جس طرح ہو سکے گا سب سے پہلے اپنے کو اس کشتی میں ڈال دیگا۔ پس اگر ہم تہہ خانے کے ساتھیوں کو اپنے جانے کی اطلاع دیتے تو ضرور یہ لوگ ہمارے ساتھ ہو جاتے۔ اور سلامتی

کی امید یاس سے مبدّل ہو کر تمام تدبیریں بے سود ہو جاتیں ؛

خلاصہ یہ کہ کوچہ کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا کھا کر ہمارے اوسان کسی قدر درست ہوئے اور بدن میں از سرِ نو جان آئی - ہماری حالت تہ خانہ میں بالکل مُردہ سی ہو گئی تھی - جس کو قبر کے اندر رکھ دیا ہو اور پھر وہ بقدرتِ خدا زندہ ہو کر باہر نکال لیا جائے ؛

وہ ہندوستانی عورت برابر ہم کو لئے جاتی تھی - تا اینکہ ایک خرابہ میں پہنچکر مثل اُلّو کے ایک آواز اس نے اپنے منہ سے نکالی - فوراً اسی قسم کی ایک دوسری آواز خرابہ کے گوشہ سے آئی اور چار شخص سفید پوش ہندوستانی لباس میں خرابہ کی دیوار سے کُود کر ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے چونکہ اِس مدّت میں طرح طرح کے صدمات ہم پر نازل ہو چکے تھے - لہٰذا اُن لوگوں کو دیکھتے ہی کلیجہ خوف سے دھک دھک ہونے لگا اور ایک نئی مصیبت کا تصوّر بندھ گیا - ابھی ہم نے اچھی طرح اُن چاروں کے چہروں پر نظر بھی نہ ڈالی تھی کہ اُن میں سے ایک شخص پہچانا گیا اور ہم سب ایک بار چلّا اُٹھے - ولیم ولیم ولیم - ایلین جلدی سے دوڑ کر اسے لپٹ گئی - اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر شدّتِ شوق سے رونے لگی - ہم کو اِس کی کہاں اُمّید تھی کہ ولیم صحیح و سلامت ملیگا - سمجھتے تھے کہ بارود خانہ کے جلنے میں وہ بھی جل گیا ہوگا - اب جو یکایک اس سے ملاقات ہوئی تو ہر ایک کو سکتہ ہو گیا ؛

یہ موقع ایسا نہ تھا کہ لطفِ صحبت حاصل کیا جائے اور ہر ایک ہم میں سے اپنے گذشتہ واقعات سُنائے۔ یہاں تو فکر بھاگنے کی پڑی ہوئی تھی۔ اِسی لئے ولیم ایلین کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھنے لگا اور ہم سے پیچھے پیچھے آنے کی فرمائش کی۔ ہزار قدم سے راہ طے نہ کی ہوگی کہ ایک موقعہ پر چار گھوڑے زین کسے لگام لگے موجود پائے چار سائیس اُن کی باگیں پکڑے ہماری آمد کے منتظر تھے۔ ولیم نے ہم کو سوار ہونے کا اشارہ کیا اور خود بھی سوار ہوا۔ سائیس رخصت ہو گئے اور ہم چاروں نے کلکتہ دروازہ کی طرف باگیں اُٹھا دیں۔ ولیم کے دوستوں میں سے ایک ہندوستانی اس دروازے کا محافظ تھا اور اس سے ولیم نے اپنے جانے کی بابت کہہ رکھا تھا۔ لہذا جس وقت ہم پہنچے۔ دروازہ کھول دیا گیا اور ہم سب شہر سے باہر ہو گئے ؎

ساتواں حادثہ

مدت کے بعد پھر ہوا آنا یہاں نصیب
مسکن ہمارا تھا بھلا اے باغباں کہاں

جمنا کے پُل پر ہم لوگ پہنچ گئے تھے کہ یکایک عقب سے بندوقوں کی آواز آئی اور ساتھ ہی چند گولیاں ہمارے نزدیک آکر گریں۔ میں نے گھبرا کر ولیم سے پوچھا:۔

ہلیس - ولیم یہ کیا ماجرا ہے کیا یہ لوگ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں ؟

ولیم - یہ سب اِن ہندوستانیوں کی بدمعاشیاں ہیں گو وہ دروازہ کا محافظ میرا دوست ہے۔ مگر اپنی طبیعت کی خباثت اور فطرت کی شرارت دکھائے بغیر نہ رہا۔ دروازہ کھول کر ہمیں نکال تو دیا مگر پھر اپنی بدطینتی کی وجہ سے پچتایا ہوگا۔ اس لئے اب پیچھے سے گولیاں چلا رہا ہے ؛

ہلیس - یہاں سے بہت جلد بڑھ جاؤ۔

ہمارے گھوڑے نہایت تیزی کے ساتھ کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے چلے جاتے تھے۔ خدا کے فضل سے ہم صحیح و سالم پُل سے اُتر گئے کسی قسم کا کوئی صدمہ ہم کو یا ہمارے جانوروں کو نہیں پہنچا ؛

راستے میں اگرچہ موقع مفصل گفتگو نہ تھا تاہم ہمارے اصرار سے ولیم نے اپنی سرگذشت بیان کرنی شروع کی :-

ولیم - بارود گھر جلنے کے بعد جنرل کرو کے ماتحت گورا پلٹن اس بات کی منتظر تھی کہ جنرل بارنارڈ یہاں پہنچ جائے۔ تو دونوں سردار متفق ہو کر دہلی سے باغیوں کے شر کو دفع کریں۔ میں برابر جنرل کرو کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر تم لوگوں کا خیال ہر وقت مجھے ستاتا رہتا تھا اور کوئی کام جم کر نہ کرنے دیتا تھا۔ روزمرہ دو تین وفادار رنیک ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ شہر دہلی میں آتا تھا اور ہر خرابہ اور ویرانہ میں

گھوم گھوم کر تلاش کرتا تھا مگر تمہارا پتہ کہاں ؟

میں - بیٹا ہمارا پتہ کیسے چل سکتا تھا - ہم تو ایسے تہ خانہ میں پنہاں تھے کہ وہاں سے نہ اپنا جا سکتا تھا نہ بیگانہ - نہ دوست پہنچ سکتا تھا نہ دشمن ؛

ولیم - تو سنئے - جب میں تلاش کرتے کرتے عاجز آگیا اور شہر میں ملنے سے مایوسی ہو گئی تو یہ خیال ہوا کہ تم لوگ شاید اپنے مسکن قدیم کی طرف موقع پا کر نکل گئے - میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہ خیال الہامی تھا ؛

غرض کہ اسی دھن میں وہاں پہنچا - تم لوگ تو نظر نہ آئے - فیلبان کو البتہ موجود پایا - جو شہر دہلی سے تمہارے فرار کا سامان مہیا کر رہا تھا تا کہ کسی حیلہ سے اکبر آباد پہنچا دے - مگر افسوس کہ ہمسایہ کے وحشی اور بد طینت لوگوں نے اس کے ارادے کا حال داروغہ سے بیان کر دیا - اس سنگدل نے بغیر کچھ پوچھے گچھے فوراً گرفتار کر کے اس درخت میں لٹکا دیا جو تمہارے بنگلہ کے پہلو میں ہے اور آخر کار اس کو پھانسی دے دی ؛

میں - بخدا جب مجھے فیلبان کی وفاداری کا خیال آتا ہے تو دل پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے - سچ یہ ہے کہ اس کو ہم سے بڑی محبت تھی - یہ کب کا واقعہ ہے ؟

ولیم - کل ہی رات کا تو اور کب کا ؟

اِس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا سا حال اس حسد

کا بھی تحریر کروں جو ہم حضرت حوّا کی لڑکیوں کو اپنی میراث میں ملا ہے اور پھر خدا سے دُعا کرتی ہوں کہ وہ میرے گناہ کو معاف فرمائے میری لڑکی اور داماد چونکہ کئی روز کے بعد ملے تھے۔ اس لئے نہایت پیار اور خلوص کے ساتھ آگے آگے باتیں کرتے چلے جاتے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستا تھا۔ ولیم کا دل اِس قدر ایلین کی طرف جذب ہو رہا تھا کہ جب میں کبھی کبھی اس سے کوئی سوال کرتی تھی تو وہ نہ تو ٹھیک طور سے میری طرف متوجّہ ہوتا تھا اور نہ اس کا معقول طریقے سے جواب دیتا تھا یہ حالت دیکھ کر میری حسد کی آگ حرکت میں آئی جیسا کہ عموماً عورتوں کی عادت ہے اور اس قدر غلبہ کیا کہ میں اپنے دل میں کہنے لگی "کیا اچھا ہوتا اگر میں اِسی تہہ خانہ میں مر گئی ہوتی۔ اور یہ حالت داماد اور لڑکی کی شفقت کی نہ دیکھتی" جب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا تو گھوڑے کو ٹھکا کر ولیم کے برابر پہنچی اور غصّے سے اس کا بازو پکڑ کر کہا "کچھ تجھے میرے ویل اور اس کی دایہ کی بھی خبر ہے؟" اس نے اِس کے جواب میں ایک ایسا فقرہ کہا۔ جس کے سنتے ہی میرا تمام رشک وحسد زائل ہو گیا اور بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پیر پکڑ کر چوم لوں وُہ فقرہ یہ تھا:۔

"ویل اور دایہ دونوں صحیح سلامت گھر پر موجود ہیں"

یہ فقرہ کیا تھا۔ ایک روح تھی۔ جس نے میرے بے جان قالب کو باکار بنا دیا۔ تمام ضعف وناتوانی۔ غم وغصّہ مسرّت وقوّت سے

بدل گیا اور وساوس شیطانی میرے دل سے دُور ہوئے - میں نے خُدا
سے استغفار کیا اور اپنے نفس کو بے حد ملامت کی - کاش اس وقت
میرے پر ہوتے کہ آناً فاناً میں اپنے ویران گھر میں پہنچ کر بچھڑے لال
کو چھاتی سے لگا لیتی - جس قدر مجھ سے ممکن ہوا - گھوڑے کو تیز چلایا -
اور سب سے آگے نکل گئی - میری حالت اس وقت اس مرغ کی سی
تھی جو اپنے آشیانوں کی طرف بچّوں کو بھرانے کے لئے جاتا ہو مجھے اُس
وقت نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کوئی صورت دکھائی دیتی تھی - نہ
دشمن کا خوف تھا نہ قتل ہونے کا ڈر تھا - اپنے بچّے کے تصوّر میں آندھی
دھاندی بنی چلی جاتی تھی - میرے پیچھے میرا شوہر - ایلن اور ولیم گھوڑے
ڈپٹے چلے آرہے تھے - یہاں تک کہ ہم اپنے ویران مکان کے متصل
پہنچ گئے ۔

افسوس جہاں چند روز پہلے عالیشان عمارت نظر آتی تھی جس
میں بیس سال کی مدت تک ہم نے عیش و آرام کی زندگی بسر کی تھی وہاں
آج ہُو کا عالم تھا - گوشہ گوشہ پر اُداسی چھا رہی تھی - جہاں عیش و طرب
کے جلسے ہوتے تھے - وہاں ہر طرف ویرانی و تباہ حالی نظر آتی ہے -
ہماری جلوہ گاہیں - ہمارے آرام کدے - ہماری خوابگاہیں خاک کی ڈھیر
ہیں وحشی جانوروں کا مسکن ہیں - سگ و خوک کی جولانگاہیں ہیں -
آہ آہ وہ سبز و شاداب چمن جن سے جان کو فرحت - روح کو تازگی
ہوتی تھی - آنکھوں میں طراوت اور دماغ میں قوت آتی تھی - چار -

ہی دن میں زاغ و بوم کا مسکن بن گیا - ظالم باغیوں نے ہرے بھرے پودوں کو ایسا پامال گیا - پھلواریوں کو ایسا کچلا تھا کہ دیکھ دیکھ کر کلیجے پر خنجر چلتے تھے - عزیز فرزند کے دیدار کا شوق تو یہ چاہتا تھا کہ قدم اُٹھائے آگے کو چلی جاؤں لیکن یہ وحشت خیز مناظر طبیعت کو پریشان کر کے ادھر سے رُخ پھرائے دیتے تھے - افسوس جس مکان کی راہیں آئینے سے زیادہ صاف رہتی تھیں - آج اس تک پہنچنے کے لئے راستہ نہیں ملتا - اندھیری ڈراونی رات - نہ پاس چراغ نہ بتی - جاؤں تو کدھر جاؤں جابجا ٹھوکریں کھاتی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چلی جاتی تھی - کہ شاید کوئی علامت فرزند گم شدہ کی نظر آجائے تو اِس تاریکی نے جس قدر میری بیتابی نے کام دیا - اپنے مقصد کی تلاش کرتی رہی ؂

جب قوّت باصرہ سے کام نہ چلا تو سامع سے امداد مانگی اَور آواز پر کان لگایا کہ شاید اس کی آواز ہی سُنائی دے جائے مگر وہاں نہ کوئی آواز رہبری کرتی تھی نہ کوئی راستہ - مجبور ہو کر قدم ہلکے کر دئے اور ہمراہیوں کے ورود کی منتظر ہوئی - چند منٹ میں ولیم وہاں پہنچ گیا گھوڑے سے اُتر کر باگ اس سپاہی کے ہاتھ میں دی جو دہلی سے ہمارے ساتھ آیا تھا اور مجھے کہا - اب آپ میرے ساتھ ساتھ آیئے میں ولیم کے بازو کو پکڑے اِس شوق میں جلدی جلدی قدم بڑھائے چلی جاتی تھی کہ اپنے بچے کے دیدار سے شوق کی آنکھوں کو سیر کروں اور کئی دن کے بچھڑے کو چھاتی سے لگاؤں - میرا شوہر اور الین پیچھے پیچھے تھے - مقصد تک

پہنچنے کا راستہ دس قدم سے زیادہ نہ تھا۔ مگر مکان گرجانے کے باعث سو قدم سے زیادہ چلے تو بھی وہاں تک پہنچ نہ پائے۔ کوئی درخت مکان کے صحن میں باقی نہ رہا تھا۔ بجز ایک پرانے ناردان کے درخت کے۔ اسی میں فیلبان بیچارے کو قتل کر کے لٹکا دیا گیا تھا اندھیری رات میں یہ درخت اپنی ہری بھری شاخوں کو اٹھائے دور سے ایک گنبد معلوم ہوتا ہے۔ ہم نہایت آہستہ آہستہ زمین پر پاؤں رکھتے تھے تاکہ کسی نشیب میں اوندھے منہ نہ جا پڑیں اندھوں کی طرح ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ایک قطار میں چلے جا رہے تھے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس مقام تک پہنچے۔ جہاں چند روز قبل ہماری نشست ہوا کرتی تھی۔ اپنے دلفریب گھر کی ویرانی دیکھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ جس گوشہ میں جاتے تھے۔ فرطِ الم سے کلیجہ خون ہو جاتا تھا۔ وہاں کوئی آواز بجز ان جانوروں اور چھوٹے چوپاؤں کے پاؤں کی چاپ کے نہ تھی۔ جو اینٹوں پتھروں یا مٹی چونے کے ڈھیر میں اِدھر سے اُدھر جا رہے تھے۔ یا کچھ رات کے پرندوں کی آوازیں تھیں۔ جو ٹوٹی کانسوں، شکستہ گولٹوں یا اکھڑی چھتوں میں بیٹھے بے ثباتی عالم پر رو رہے تھے :۔

جب ہم درخت ناروں کے نزدیک پہنچے۔ ایک نالہ حزین اور صدائے غمگین ہمارے کان میں آئی جس سے وحشت بڑھی اور دل کانپا۔ بالخصوص میں چونکہ اس عرصے میں مصائب و آلام برداشت

کہتے کرتے بہت زیادہ رقیق القلب ہوگئی تھی۔ ایک بار گھبرا اُٹھی۔
شوہر اور داماد نے اپنے طمنچے ہاتھ میں لے لئے اور مقابلے کے لئے
آمادہ ہوگئے۔ یہ پُرخوف آواز ایک بڑے جسم سے پیدا ہو رہی تھی۔
جو اِس تاریکیٔ شب میں برابر ہماری طرف بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔ جب
بہت قریب آگیا تو ولیم نے چاہا کہ طمنچہ کا فیر کرے۔ لیکن میرے شوہر
نے بلند آواز سے کہا:۔

شوہر۔ ولیم۔ طمنچہ نہ چلانا۔ یہ ہمارا وفادار ہاتھی ہے جس کے فیلبان
کو قتل کر کے درخت میں لٹکا دیا گیا ہے۔ یہ بیچارہ ہماری آمد کے انتظار میں
یہاں نالہ دردناک بلند کر رہا ہے۔ ہاتھی ہمارے بالکل قریب آگیا۔
اور اپنی سونڈ سے ہم میں سے ایک ایک کو سلام کیا۔ میرے شوہر
نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اس کی سونڈ کو سہلایا اور ہندی زبان
میں کہا۔ "یہاں کیا کر رہا ہے؟" ہاتھی یہ سُن کر ہم سے جُدا ہوگیا اور
درخت کے تنے سے جا لپٹا۔ اپنی سونڈ کو بار بار بلند کر کے اس لاش
پر ملتا تھا۔ جو درخت میں لٹکی ہوئی تھی۔ ولیم نے کہا۔ یہ حیوان بہ سبب
اس اُنس کے جو اپنے فیلبان سے رکھتا تھا۔ اس وقت سے کہ باغیوں
نے اس بیچارے کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا اور درخت
سے لٹکایا۔ اسی درخت کے نیچے کھڑا ہوا ہے اور لاش کے چاروں
طرف جا جا کر نالے کرتا ہے۔ شاید یہ لاش سے اِس لئے جُدا نہیں
ہوتا۔ کہ صحرائی جانور اس کو کھا ڈالیں گے۔ یہ تو ایک مسلمہ امر ہے

کہ ہاتھی جس قدر بڑے ڈیل ڈول کا ہے۔ اُسی قدر زیادہ ذی شعور اور صاحب ادراک ہے بلکہ اس کا ادراک تمام حیوانوں سے زیادہ ہے۔ وہ انسان کی طرح نیکی بدی۔ محبّت اور عداوت کا ادراک کرتا ہے دوستی اور غمخواری کے وقت یار و مددگار ہے اور کینہ و دشمنی کے وقت بلائے جان۔ یہ ہاتھی چونکہ بچّہ خریدا گیا تھا۔ اِس لئے فیلبان سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا تھا اور اس میں شک نہیں کہ فیلبان مرحوم نے اِس کی خدمت بھی بہت کی تھی ؞

چونکہ ہاتھی کی قیمت دو ہزار روپے سے زائد تھی۔ باغیوں نے فیلبان کے قتل کر دینے کے بعد چاہا کہ اس پر قابو ہو جائیں مگر یہ قابو میں نہ آیا۔ دن بھر تو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور رات کو اپنے قدیم خدمتگار کی حفاظت کے لئے اس درخت کے نیچے آجاتا ؞

خلاصہ یہ کہ اس درخت کی نشانی سے اپنے اصل گھر کا رستہ پایا۔ ولیم نے تین ہندوستانی سپاہیوں کو ہندی زبان میں فہمائش کی کہ وہ ہم لوگوں کے آنے تک نہایت ہوشیاری سے اس مقام پر پاسبانی کریں اور جس وقت کوئی خطرہ معلوم ہو۔ فوراً اطلاع دیں۔ اس کے بعد کچھ دُور بڑھ کر اس نے اپنے مُنہ سے کچھ آواز نکالی۔ تین منٹ نہ گذرے تھے کہ اِس تہہ خانہ کی راہ سے جو سابق میں ہمارا شراب خانہ تھا اور فی الحال چھت والے مقامات میں ایک وہی باقی تھا روشنی نمودار ہوئی۔ جو مثل ایک ستارے کے اندھیری رات میں ٹمٹما رہی

تھی - ہم اس کے سہارے آگے کو چلے ؛؛

عزیز بھائیو! مہربان بہنو! تم سمجھ سکتی ہو کہ اِن تمام زحمتوں سے میرا مقصود کیا تھا - صرف یہی نا - کہ اپنے نورِ نظر - لختِ جگر - دل کی ٹھنڈک - روح کی طاقت ویل کو چھاتی سے لپٹاؤں اور اُس کی بھولی بھالی - پیاری پیاری صورت اپنی آنکھوں سے دیکھوں - یونہی کہ ہم نہہ خانہ میں پہنچے - دیکھا کہ وہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ایک گوشے میں پڑا سو رہا ہے - اس کی صورت دیکھتے ہی میں آغوشِ شوق پھیلائے ہوئے دوڑی - دایہ نے آہستہ سے اِسے میری گود میں آہستہ سے دیدیا اور کان میں کہا "ابھی سویا ہے - کچی نیند ہے - جگائیے نہیں" میں اِسے گود میں لیکر خداوند کریم کا شکر و سپاس کرتی رہی - کبھی اُس کے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے دباتی تھی - کبھی پیشانی پر بوسہ دیتی تھی - دل چاہتا تھا کہ پروانہ وار اس پر نثار ہوں - یہ شوق و انبساط کی حالت زیادہ دیر تک نہ رہی کہ شوہر نے میرے قریب آکر کہا

شوہر - خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو بچھڑے فرزند سے ملا دیا - اور داغ جگر سوز کے صدمے سے بچا لیا - اب ہم کو چاہیئے کہ بہت جلد ہندوستانی لباس پہن لیں - شاید یہی تدبیر دُشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے ؛؛

میں - مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے - ابھی اُٹھتی ہوں - ذرا دائی سے دو باتیں کر لوں (دائی کی طرف متوجّہ ہو کر) تو وہاں سے

ویل کو لے کر کیوں بھاگی تھی - اس بچے کے گم ہونے نے جس قدر مجھے دیوانہ بنایا تھا - میں ہی جانتی ہوں - اُف - یہ پیدا کئے کی محبت بُری ہوتی ہے آج میں نے جانا ہے کہ میں آدمی ہوں ؛

دایہ - جب تم اس گھر میں پناہ گزین ہوئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا یہاں سے زندہ نکلنا دشوار ہے - کوئی ہندوستانیوں کا گروہ عنقریب اُدھر آنکلے گا اور سب کو قتل کر ڈالے گا - میں بہت دیر تک اس بارہ میں سوچتی رہی - تمہاری نجات کی تو کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی - البتہ یہ سوچی کہ اس بچے کو جس نے میرا دودھ پیا ہے اور ایک مدت تک ماں کی طرح خدمت انجام دیتی رہی ہوں - کسی صورت سے بچانا چاہیئے میری محبت قلبی نے اس کی اجازت نہ دی کہ ایک دم کے لئے بھی اِس سے جُدا ہو جاؤں - بس بات یہ تھی جو تم سے پوشیدہ طور پر اس کو لے کر فرار ہو گئی ؛

میں ہے ہے تو مجھ سے کہہ کے تو لے جاتی - کیا میں اس کی دشمن تھی ؟

دایہ - بھلا میں کیسے مان لوں کہ اگر میں آپ کو اطلاع دیتی تو آپ اپنا پیارا بچہ اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا گوارا کر لیتیں - جب مجھے اس کی مفارقت کی تاب نہ تھی تو بھلا آپ سے کیسے ممکن تھا ؛

میں - اچھا پھر کیا ہوا ؟

دایہ - غرض کہ میں ویل کو لیکر وہاں سے چل دی اور اپنے ایک عزیز کے گھر میں چھپ رہی - پھر خیال ہوا کہ مجھے تم لوگوں کا حال کیسے معلوم

ہوگا اور تم کو میری خبر کیونکر پہنچے گی - اتفاقاً ایک روز تمہارے داماد صاحب سے ملاقات ہوگئی - میں نے ساری کیفیت ان سے بیان کی اور اپنا پتہ اُنکو بتا کر کہہ دیا کہ جس وقت ان کو نجات مِل جائے - مجھے طلب کر لینا - آج صبح خبر ملی کہ تم لوگ یہاں آنے والے ہو - لہٰذا ایسی بیش قیمت امانت اور نفیس ودیعت سونپنے کو چلی آئی ❊

جب وہاں کی طرف سے ہمیں ہر طرح کا اطمینان ہوگیا تو تبدیلی لباس کی فکر ہوئی - سر سے پیر تک ہندوستانی لباس پہننے کے علاوہ چہروں کلائیوں اور پیروں کو بھی ایک زرد رنگ سے جو جلد انسانی کے مشابہ تھا رنگ لیا ❊

ولیم نے ہم کو تہہ خانے کے گوشے میں چند بندھی ہوئی گٹھڑیاں دکھائیں جو سفر کے واسطے تیار رکی گئی تھیں - ان میں کچھ تو کھانے کی چیزیں تھیں اور کچھ پہننے کے کپڑے اور دوسری ضروری چیزیں دو ٹٹو جو تہہ خانہ کے باہر بندھے ہوئے تھے - نزدیک لائے گئے اور تمام سامان ان پر لاد دیا گیا - جس طرح دریا کا مسافر کشتی میں سوار ہو کر اپنے حرکت و سکون کیا زندگی و موت کی باگ ناخدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے - اِسی طرح ہم نے اپنے اختیار کی باگ اِس پُر خطر سفر میں اپنے داماد ولیم کے ہاتھ میں دیدی تھی اور اِسی کو اپنی ہستی کے سفینہ کا ناخدا بنا دیا تھا - اور جملہ افعال و حرکات میں اس کے حکم کے تابع بن گئے تھے - اسباب لادے جانے کے بعد سواری حاضر ہوئی اور

ولیم کے ایما کے مطابق ہم سب سوار ہو گئے:۔

آٹھواں حادثہ

تیز رکھنا سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

ولیم - آپ لوگ سامنے والے راستے پر چلے جایئے۔ تقریباً پانچ فرسنگ راہ طے کرنے کے بعد ایک بہت گھنا جنگل ملیگا۔ وہاں دیاسلائی سے آگ روشن کرنا۔ فوراً ایک کشتی بان جس کو میں تمہارے آنے کی اطلاع دے چکا ہوں اِس نشان کو دیکھ کر تمہارے پاس آئے گا اور سب کو مع سامان ایک کشتی میں سوار کر کے آگرہ لے جائے گا:۔

میں - یہ کیا؟ کیا تم ہمارے ساتھ نہ چلو گے ؟

ولیم - بس میں تو یہیں سے رخصت ہوتا ہوں۔ اپنی پلٹن میں شامل ہو کر جب تک بدن میں جان ہے - انگریزی جھنڈے کی حمایت میں دل وجان سے کوشش کر کے بچاؤں گا:۔

میں - واہ ولیم واہ - یہ تم نے خوب دھوکا دیا - پہلے سے ہم پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا۔ اب عین وقت پر یہ غم انگیز الفاظ مُنہ سے نکال رہے ہو۔ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ اب ہم سے کبھی جُدا نہ ہو گے:۔

ولیم - بے شک میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ

ہی رہوں - مگر کیا کروں مجبور ہوں - ایسا کرنے میں بہت بڑی خرابی ہے"
ایلن نے جوں ہی مفارقت کا نام سُنا - دوڑکر شوہر کے دامن کو پکڑ لیا اور زار زار رونے لگی ؛

ولیم (ایلن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) پیاری ایلن - کیوں روتی ہو کیوں اپنے کو ہلکان کئے دیتی ہو - گھبراؤ نہیں - اگر خدا نے چاہا تو پھر اِسی طرح آکر ملیں گے ؛

ایلن - ولیم - میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گی - جہاں جاتے ہو مجھے ساتھ لے چلو - اب فراق کے صدمے مجھ سے برداشت نہ ہوں گے ؛

اس وقت میں نے اپنے داماد کی ایک عجیب حالت دیکھی - بیچارے کی جان دو خطروں میں تھی - نہ تو ہم لوگوں کی محبت ایک منٹ کو جُدا ہونے کی اجازت دیتی تھی نہ خدمت کی عزت اور سرکار کے نمک کا اِس کو گوارا کرتا تھا کہ سرکاری قانون کے خلاف اپنے دستے کو چھوڑ لڑائی سے فرار ہو جائے - عجب جان کو کش مکش تھی - کچھ سوچتا تھا اور رہ جاتا تھا - اگر سچ پوچھو تو اِتنی دیر بھی اس کا ہمارے ساتھ رہنا از روئے قانون خلاف تھا - لیکن ایلن کو اِن باتوں کا مطلق خیال نہ تھا - اس کا منشا صرف یہ تھا کہ شوہر ایک منٹ کو بھی اس سے جُدا نہ ہو اور وصل کی گھڑیاں فراق سے نہ بدلیں ؛

بالآخر ولیم نے ذرا دل پر جبر کر کے زور کے ساتھ اپنے دامن کو ایلن کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور دہلی کی طرف بھاگا - میری حسرت زدہ

لڑکی کی آہ نے اس وقت خاص اثر دکھایا۔ یعنی ولیم چند ہی قدم گیا ہو گا کہ تہہ خانے کے ایک ہندوستانی پہرہ دار نے آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا:۔
"چراغ گل کر دو۔ بہت سے سوار دہلی سے اِس سمت آرہے ہیں"۔

ولیم۔ کیا یہ بتا سکتے ہو۔ کہ ان لوگوں کی تعداد کس قدر ہو گی؟

پہرہ دار۔ حضور ٹھیک تو نہیں بتا سکتا۔ البتہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک رسالہ ہے۔

اِسی درمیان میں ایک اور سپاہی دوڑا ہؤا آیا اور کانپتی آواز سے کہا کہ اِس مکان کا ہندوستانی سپاہیوں نے محاصرہ کر لیا۔

ایلن۔ پیارے ولیم۔ بس اپنا جانا اب ملتوی کرو۔ اگر ہم سب ایک ہی جگہ مقتول ہو جائیں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر ہمیشہ درد فرقت سے تڑپیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ سواروں نے اِس گھر کا محاصرہ کر لیا اور تم کو دہلی جانے سے روک دیا۔

ولیم (مسکرا کر) ہاں صاحب۔ اب تو یوں ہی کہو گی۔

چونکہ رات بہت زیادہ تاریک تھی۔ اِس لئے باغیوں کو بھی یہ تردد تھا کہ کس سمت سے حملہ کریں۔ ہم تو بھاگنے پر آمادہ تھے ہی جب یہ حال دیکھا۔ خدا پر بھروسہ کر کے میرٹھ کی طرف چل دیئے۔ کیونکہ اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کم تھی۔ یہ راستہ جو دریائے جمنا کے کنارے کنارے ہے۔ وہی راستہ ہے۔ جس کے درمیان میں چند ہفتے قبل ہمیں ایک سادھو لیٹا ہؤا ملا تھا اور اس نے بد فال مُنہ سے نکالی تھی۔ جوں ہی

ہم اس موقعہ پر پہنچے وہ وقت یاد آ گیا - اپنے سابقہ عیش و آرام کا موجودہ بدبختی و پریشان حالی سے جو مقابلہ کیا گیا - دل بھر آیا - آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ؛

ہمارے چلے آنے کے بعد دُور تک ہاتھی کی چنگھاڑ کی آواز آتی رہی - جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو ہماری جدائی کا بے انتہا قلق ہے یہ سوار ہمارے تعاقب میں اس بنا پر آئے تھے کہ جب ہم شہر دہلی کے دروازہ سے باہر نکل گئے تو اس دروازہ کے محافظ نے جو بظاہر ولیم کا دوست تھا اور ہمیں دروازہ کھول کر باہر کر چکا تھا - تمام باغیوں کو ہمارے فرار کی خبر کر دی - انہوں نے اسی وقت ایک رسالہ ہماری گرفتاری کے لئے دوڑا دیا - اگر ہم سب لوگ اس قدر جلدی بھاگنے پر مجبور نہ ہوتے اور اطمینان کے ساتھ وہاں سے چلتے تو ہاتھی کو ضرور اپنے ساتھ لے لیتے ؛

خلاصہ یہ کہ جس طرح ولیم نے بتایا تھا اور جو دستور العمل اس کا تھا - اسی طرح واقع ہوا - یعنی ایک طولانی مسافت طے کرنے کے بعد ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے - آگ روشن کی - فوراً ایک شخص آیا اور ہم سب کو دریا کے کنارے کی طرف جہاں ایک چھوٹی سی کشتی لگی ہوئی تھی لے گیا اس کشتی پر بانسوں اور پتوں سے ایک منڈیا سی چھائی ہوئی تھی - اس میں ہم جا کر بیٹھ گئے اور کشتی کا لنگر کھل گیا ؛

دہلی سے آگرے تک کی مسافت تقریباً سترہ فرسخ ہو گی ہم نے

اس کو چھ دن اور چھ رات میں اِس صورت سے طے کیا کہ تمام دن چلتے تھے اور تمام رات دریا کے داہنے یا بائیں آبادی سے دُور کسی جا قیام کرتے تھے۔ دن کی گرمی پیاس اور دہشت کے باعث ایسی سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی کہ توبہ ہی بھلی۔ رات کا آنا ہمارے لئے ایک نعمت تھا جس میں تمام دن کی مصیبت سے نجات مل جاتی تھی۔ جس قدر ہمارا راستہ زیادہ طے ہوتا جاتا تھا۔ اِسی قدر ہولناک صورتیں زیادہ سامنے آتی جاتی تھیں۔ سواروں کے رسالے۔ پیادوں کی پلٹنیں دریا کے دونو طرف عبور کرتی تھیں اور جہاں جس فرنگی کو دیکھتی تھیں۔ قتل کر ڈالتی تھیں کئی بار ایسا اتفاق ہوا کہ باغیوں نے ہماری کشتی کو کنارے کی طرف بلایا اور جب ملاح نے التفات نہ کیا تو بندوقیں مارنی شروع کیں یہ خدا کی عنایت تھی کہ کوئی گولی ہم میں سے کسی کے نہ لگی۔ کبھی کبھی اطراف کے دیہات سے باغی لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ہماری کشتی کے پاس آتے تھے۔ لیکن ہم ایسے چھپے ہوئے تھے کہ ان کو مطلق پتہ ہی نہ چلتا تھا۔

ساتویں روز ہم خدا خدا کر کے دریا کے بائیں کنارے پر اُترے۔ اور غروب ہونے والے آفتاب کی زرد شعاعیں آگرے کی مسجد کے میناروں پر ایک فرسنگ کے فاصلے سے نظر آئیں۔ یہ مسجد ہندوستان میں بہت خوبصورت عمارت ہے۔ اکبر بادشاہ کا لال قلعہ بھی جواب انگریزوں کے قبضہ میں ہے دکھائی دے رہا تھا۔ جب ہم کنارے پر اُترے تو اور

بھی بہت سی کشتیاں وہاں نظر آئیں - جن کے ملّاح آگرے ہی کے رہنے والے تھے - انہوں نے ہم کو پہچان تو ضرور لیا کہ یہ ہندوستانی نہیں ہیں مگر زبان سے کہا کچھ نہیں ؛

ولیم چونکہ بنگلہ زبان بہت صاف بولتا تھا - اُن سے بات چیت کرنے لگا - معلوم ہوا کہ آگرے میں بھی دہلی کی طرح فتنہ وفساد ہے تمام انگریز قلعہ میں چھپے ہوئے اس مدد کے منتظر ہیں جو الہ آباد سے آرہی ہے - یہ خبر سنتے ہی ہم لوگ بہت پریشان ہونے لگے ؛

میں - ولیم بیٹا - اب کیا کرنا چاہیئے - میں سمجھتی ہوں کہ تمام ہندوستان میں انگریزوں کی ہوا اُکھڑ گئی - اب بتاؤ - کہاں جائیں - کیا کریں ؟

ولیم - میری عقل بھی اِس وقت چکر میں ہے - آگرہ شہر میں جائیں تو نہ راہ سے واقف نہ وہاں کوئی اپنا یار و آشنا - اگر یہیں رہیں تو یہ بالکل کھُلا میدان ہے خدا جانے کیا پیش آئے - علاوہ اِس کے صبح ہی گروہ بغاوت پیشہ ہماری آمد سے مطلع ہو کر یہاں آپہنچے گا اور تلواروں میں رکھ لیگا ؛

شوہر - میرے خیال میں یہ بہتر ہے کہ جس طرح بنے - اِسی دم یہاں سے کوچ کر کے چل پڑیں ؛

میں - کس راستہ سے ؟

شوہر - یہ سوال ابھی غور طلب ہے - اب تک تو یہی تھا کہ خشکی کے راستے سے چلتے اور شاہ راہ پر پڑ لیتے - اگر کہیں الہ آباد سے آتی

ہوئی فوج راہ میں مل جاتی تو بس انہیں کے ساتھ ساتھ آ گرے لوٹے چلے آتے - پھر جو حال سب کا ہوتا وُہ ہمارا بھی ہوتا - مرگ انبوہ جشنے دارد - مگر دقت یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں ہے ۔

میں - کیا کوئی سواری یہاں کہیں سے نہیں مِل سکتی ؟

ولیم - اِس پُر آشوب زمانے میں ناممکن ہے کہ کوئی سواری مِلے - اگر ہم تلاش کو نکلے اور خدانخواستہ کہیں پہچان لئے گئے تو اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے - اب تو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دریا کی راہ سے شہر کانپور کو چلے جائیں - وہاں جنرل کہ وہی مقیم ہے - اس کی وجہ سے بڑی مدد مِلے گی ۔

یہ رائے پاس ہو گئی اور ہم سب ایک نئے سفر کے لئے آمادہ ہوئے - مگر بُرا ہو اس کم بخت ملاح کا جس نے کسی طرح وہاں سے آگے بڑھنا گوارا نہ کیا - لاکھ لاکھ میرے شوہر اور داماد نے سمجھایا - ایک ہزار روپیہ دینا کیا - مگر وہ ٹس سے مس نہ ہُوا - تب مجبوراً اس سے کہا گیا کہ اگر تجھے ہمارے ساتھ چلنا منظور نہیں تو اپنی کشتی ہی ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈال - ہم ہی اِس کو کھینچ کر لے جائیں گے - یہ سُن کر آثار بشاشت اس کے چہرے پر نمودار ہوئے - جس سے ہم نے سمجھا کہ اُس کا دلی منشا یہی تھا - کیونکہ کسی موقعے سے اس پر یہ ظاہر ہو گیا تھا - کہ ہمارے پاس بہت کچھ جواہرات اور نقد سیم و زر ہے - حالانکہ ہم ہمیشہ یہی اظہار کرتے رہے کہ ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے

وہ پُرانی کشتی کسی طرح دو سو روپے سے زیادہ قیمت کی نہ تھی۔ مگر اُس نے ہم کو متمول اور غرض والا سمجھ کر پانسو روپیہ مانگا۔ ہر چند ہم نے چاہا کہ کچھ کم کر دے۔ مگر وہ کہاں ماننے والا تھا؟ مجبوراً وہی مقدار دے کر وہ کہنہ کشتی لے لی۔ مقتضائے عقل و احتیاط یہی تھا۔ کہ ہم لوگ طلوعِ سحر سے پہلے ہی سرزمین آگرے سے دُور ہو جائیں۔ اِس لئے سارا اسباب کشتی پر رکھ کر چاہا کہ روانہ ہوں۔ اِتنے میں دو ہندوستانی ملّاح جن کی کشتیاں ہماری کشتی کے نزدیک تھیں۔ ہمارے پاس آئے اور کشتی کے کھینے اور کانپور تک ساتھ چلنے کا وعدہ کرنے لگے۔ ولیم اور میرے شوہر نے ان کی درخواست کو اِس وجہ سے مسترد کر دیا کہ ان کے ظاہر حال سے صداقت و مروّت کے آثار مشاہدہ نہ ہوتے تھے ؛

میں (شوہر سے مخاطب ہو کر) کیوں تم اِن لوگوں سے انکار کر رہے ہو۔ خدا کے واسطے منظور کر لو۔ یہ تو دن میں قیامت کی دھوپ پڑتی ہے اور یہ گرم لو چلتی ہے۔ میں تو کبھی ہرگز بھی تمہیں یا ولیم کو اِس کی اجازت نہ دوں گی کہ صبح سے شام تک سورج کے مقابل کھڑے ہو کر کشتی ڈنڈ یا ئیں۔ اگر اب سے دُور کوئی ماندہ ہو گیا۔ تو اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ تم نے کیسے جان لیا کہ یہ لوگ مکّار و دغاباز ہیں۔ کیا ان کی پیشانی پر لکھا ہے؟

شوہر (جھنجھلا کر) تم ہر معاملہ میں اپنی رائے اڑا دیتی ہو۔ نہ

ہندوستانیوں کے چال چلن سے واقف - نہ عادات وخصائل سے آگاہ - رائے زنی کرنے لگیں - تم تو ہر ایک کا ظاہر و باطن ایک ہی سا سمجھتی ہو - اس وقت اگر ان کی خوشامد کا خیال کر کے ساتھ لے لیا اور راستہ میں ان کی بدطینتی کچھ رنگ لائی تو پھر کیا ہو گا - جانتی ہو کہ ہر ایک ہندوستانی آجکل ہمارا دشمن بنا ہوا ہے - مجھے وہ دن بھر دھوپ میں کھڑا رہنا گوارا ہے - مگر یہ منظور نہیں کہ ان کمینہ خصلتوں کے ہاتھ سے دھوکہ میں مارا جاؤں یا یہ کہ ذلت وحقارت کے ساتھ گرفتار ہو جاؤں ؂

میں - ایسی بدگمانی اچھی نہیں - جب ہم کو انہیں لوگوں میں رہنا ہے تو ان پر بھروسہ کرنا ہو گا - میں تو ان میں خیانت و بدعہدی کا کوئی نشان نہیں پاتی - اگر یہ اس قسم کے لوگ ہوتے تو اب تک ہمارے آنے کی اطلاع باغیوں کو دے بھی چکتے - یوں خواہ مخواہ بدگمانی کا کوئی علاج نہیں - جس کی طرف سے انسان چاہے - دم بھر میں بدگمان ہو جائے میں تو ضرور ان کو ساتھ لوں گی ؂

شوہر - بعض اوقات تمہاری ہٹ بالکل بچوں کی سی ہونے لگتی ہے تم کو اس سے کیا غرض - جو کچھ زحمت ہو گی - ہم برداشت کرینگے ؂

میرے شوہر اور میرے داماد نے محض میرے اصرار پر اُن دونوں شخصوں کو اُجرت پر ساتھ لے لیا - مگر اُن کو مہادیو کی قسم دے کر یہ عہد کرایا کہ وہ کسی وقت ہم سے خیانت و بیوفائی نہ کرینگے - مہادیو

ہندوؤں کے ایک دیوتا کا نام ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے مگر ہم لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہندوؤں کے فرقہ میں باہمی اختلاف کے باعث بعض مہادیو کو نہیں بھی مانتے۔ بدقسمتی سے یہ دونوں نہ ملنے والوں کے گروہ میں سے تھے۔ لہذا اس قسم کے خلاف کرنا اُن کے لئے ذرا بھی ناروا نہ تھا ؁

خلاصہ یہ کہ ہم نے اِس مقام سے آئندہ بہبودی کی اُمّید پر حرکت کی جب قلعہ آگرہ کے مقابل سے گذرے تو اِس اُمّید پر چند منٹ ٹھہرے رہے کہ شاید قلعہ کے اندر پناہ لینے والے انگریز ہمارے اِس طرف سے عبور کرنے پر مطلع ہو کر دریا کے پاس آجائیں اور ہم کو قلعہ ہی میں داخل کر لیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ انتظار بالکل بے سود ہوا۔ قلعہ کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملا۔ ہم کچھ دیر اور بھی ٹھہرے مگر چونکہ صبح کی روشنی دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ لہذا مجبوراً کشتی آگے کو بڑھا دی۔ بہ نسبت سابق کشتی کے اِس میں ہم لوگوں کو زیادہ آرام مِلا۔ کیونکہ اس پر جو بانس اور گھاس سے چھپّڑ ڈالا گیا تھا وہ خاصہ چوڑا اور آرام دہ تھا۔ اس میں ہم لباس بھی تبدیل کر سکتے تھے نہا بھی سکتے تھے۔ لیٹ بھی سکتے تھے۔ کبھی کبھی میرا شوہر اور داماد دریا کے دائیں کنارے سے بائیں کنارے پر جاکر دریائی جانور مور اور طوطے بندر کے بچے شکار کر کے کشتی پر لے آتے تھے اور ہم تازہ گوشت کے کباب کھاتے تھے۔ آگرہ سے کانپور تک دریا کی راہ

سے ستر گھنٹے کی مسافت ہے۔ لیکن یہ ملاح قصداً ہم کو آہستہ آہستہ لے جا رہے تھے کئی بار تیز چلانے کو کہا بھی گیا۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوا

دوسری رات کو ایک مرتبہ ہی کشتی دریا کے بائیں کنارے پر جہاں سے ساحل بخط عمودی واقع تھا ٹوٹ گئی اور پانی اندر داخل ہونے لگا۔ ہم جلدی جلدی کود ے اور جو کچھ ضروری سامان کنارے تک لیجانا ممکن ہوا لے گئے ؞

میں ہر چند غور کرتی تھی کہ کشتی کے ٹوٹنے کا سبب کیا ہے سوائے بدبختی اور تیرہ روزی کے اور کوئی وجہ ذہن میں نہ آئی تھی۔ ولیم کی رائے کے مطابق ہم کنارے سے روانہ ہو کر جنگل کے ایک حصے میں جو درختوں سے خالی تھا گئے۔ رات ہونے آہی گئی تھی۔ ہم نے بہت سی لکڑیاں اکٹھا کر کے اپنے گرد اگرد آگ روشن کر دی تا کہ درندہ وحیوانات کی ایذا سے محفوظ رہیں بالخصوص مچھروں کی نیش زنی سے جو اس سرزمین پر کثرت سے پائے جاتے تھے ؞

دن کا حصہ بالکل ختم ہو گیا۔ ہم لوگ شام کی عبادت سے بالکل فارغ ہو کر بیٹھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ ایک ایک آدمی باری باری بیدار رہ کر سونے والوں کا پہرہ دے۔ ایک چادر کو بطور خیمہ لگا کر سب اس کے اندر ہو رہے۔ آنے والے زمانہ کی بدبختی نے ہم کو ایسا پریشان حال اور مضطرب الخیال کر دیا تھا کہ آرام ہم سے کوسوں دُور ہو گیا۔ میں دل میں بار بار کہتی تھی کہ اس کے بعد کیونکر سفر کریں گے

کس طرح کشتی میسّر آئے گی اگر بالفرض کشتی نہ ملی تو خدا جانے کوئی اور سواری دستیاب ہوگی یا نہیں۔ اِس پریشان خیالی میں ایک گھنٹے سے زائد ہوگیا۔ پلک جھپکنا کیسا۔ نیند کا خیال بھی نہ آیا۔ میری طرح ایلین اور میرا شوہر بھی جاگ رہا تھا۔ غالباً اس قسم کے وسوسے ان کو بھی بے چین کر رہے ہوں گے۔ چونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ایک کو سوتا دیکھ کر دوسرے بھی خواب کی طرف مائل ہوتے ہیں لہٰذا میں نے یہ تکلیف گوارا کی اور اپنے کو سوتا ہوا بنایا۔ تاکہ ایلین اور اس کا باپ دونوں سو جائیں اور فی الجملہ اس غم و الم سے نجات ملے۔ غالباً اسی خیال کو مدِّنظر رکھ کر میرے سلانے کی وجہ سے اُنہوں نے بھی بہ تکلیف اپنے کو خفتہ بنایا۔ ہم بدبختوں کے گروہ میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو اطمینانِ قلب کے ساتھ گہری نیند لے رہا تھا اور وہ میرا بچہ ویل تھا۔

ولیم خیمہ سے باہر پاسبانی میں مشغول تھا۔ کیونکہ دس بجے سے بارہ بجے تک اُسی کی باری تھی۔ بارہ سے دو بجے تک میرا شوہر پاسبان تھا۔ اِس کے بعد میرا پہرہ۔ وُہ دونوں ہندوستانی جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اپنے بڑے بڑے منڈاسے (پگڑیاں) سر پر لپیٹے ایک گوشہ میں سو رہے تھے۔ خیمے سے باہر اُنہوں نے بھی درندوں کے خوف سے ایک الاؤ میں بہت سی لکڑیاں سلگا دی تھیں سونے سے پیشتر ایک نے ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ کل کو علی الصباح ہم یا تو

تمہارے واسطے دوسری کشتی کہیں سے لائیں گے یا کوئی سواری ؛

آہ آہ یہ بارہ گھنٹے کی رات مجھ دُکھیا آفت رسیدہ وطن آوارہ کی نظر میں کس قدر طولانی ہو گئی تھی۔ رنج و غم میں نیند کہاں۔ جو کچھ وقت چین سے گذر جائے، خیمے کے کنارے سے ملی ہوئی اپنے بچے کو چھاتی پر لٹائے پڑی تھی اور صبح تک یوں ہی پڑی رہی۔ کبھی انقلاب روزگار خیال کرتی تھی۔ کبھی ایام گذشتہ کی سختیوں کو یاد کرتی تھی۔ کبھی آئندہ زمانہ میں خوشحالی کے پلٹ آنے اور مافات کی تلافی ہونے کا تصوّر کر کے ٹوٹے دل کو تسکین دیتی تھی۔ اس کے ساتھ شوہر اور دختر کے حال سے بھی بے خبر نہ تھی۔ بلکہ ان کے سانس تک گنتی تھی اور کبھی کسی بہانے سے سینے پر ہاتھ رکھ کر قلب کی حرکت دیکھتی تھی۔ کبھی نبض کی سُرعت کا اندازہ کرتی تھی۔ جب ان کا سانس قرینے سے چلتا پاتی اور نبض درست تو ذرا مطمئن ہو جاتی اور جہاں کسی کی حالت میں اضطراب، دل کی حرکت میں سُرعت، نبض میں تیزی محسوس ہوتی۔ رنج و غم سے مثل مار گزیدہ پیچ و تاب کھاتی۔ جن لوگوں کے دل اولاد کے شیدائی اور احباب کے فدائی ہیں۔ وہ ہی اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ میں کیا کہتی ہوں اور میری حالت اس وقت کیا ہو گی ؛

خلاصہ یہ کہ نصف شب کے بعد میرے شوہر کی پاسبانی کی باری آئی اور وہ اُٹھکر خیمے سے باہر چلا گیا۔ ولیم اندر آیا اور اس کی جگہ بیٹھ رہا۔ میں نے پھر بہ تکلیف اپنے کو سوتا ہوا بنایا۔ گویا مجھے شوہر کے

جانے اور داماد کے آنے کی خبر ہی نہیں۔ اسی طرح بہت دیر تک خاموش پڑی رہی۔ کسی قدر خواب کا غلبہ ہوا بھی۔ مگر میں اس خیال سے نہ سوئی کہ چونکہ شوہر کو میرے ساتھ بیحد اُنس تھا۔ لہذا اگر سوگئی اور اپنی پاسبانی کے وقت پر آنکھ نہ کھلی تو وہ میرے آرام کے درپے ہوکر کبھی ہرگز نہ جگائے گا۔ لیکن انسان کی طبیعت بھی عجیب واقع ہوئی ہے۔ جس کام سے اسے باز رکھا جائے وہ اسی کو کرتا ہے اور جس کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کو نہیں کرتا الانسان حریصٌ علی ما منع میں اول شام سے نصف شب تک سونے کے لئے بالکل آزاد تھی لیکن ذرا اس طرف متوجہ نہ ہوئی اور ایک منٹ کو نہ سوئی۔ اب جبکہ میری پاسبانی کا وقت قریب آگیا۔ خواب نے یکایک ایسا غلبہ کیا کہ اختیار کی باگ ہاتھ سے نکل گئی۔ اور ایک مرتبہ ہی آنکھیں جھپک گئیں نیند آنے سے قبل میں نے بہت چاہا کہ کائنات عالم کی طرف دل لگا کر دُور کروں مگر اس وقت نہ گیدڑ کی آواز تھی نہ شیر کی دھاڑ نہ ہندوستانی بڑی چمگادڑوں کی پرواز تھی۔ نہ گھاس میں رہنے والے چوپاؤں کے پیر کی آہٹ۔ نہ جمنا کے پانی میں تلاطم تھا نہ ہوا میں زور جن کا مشاہدہ ایک شاعر روشن خیال کے دماغ کو گھنٹوں اپنی طرف جذب کئے رہتا ہے اور کبھی محویت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ اس کو دُنیا و مافیہا کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ اِن باتوں کے مفقود ہونے سے دم بدم نیند کا غلبہ ہوتا گیا اور بالآخر ایک بار ہی میں بے خبر سوگئی ۔

سوتے سوتے ایک بارہی مثل اس کے کہ کوئی شخص الہام کرتا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ بیٹھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس شبِ تار میں بجز اس کے اور کچھ نظر نہ آیا کہ دو شخص ہمارے خیمے کے گرد پھر رہے ہیں اور آہستہ آہستہ میرے نزدیک آتے ہیں۔ معاً مجھے خیال گذرا کہ ہو نہ ہو یہ دونوں اس گروہ کے ہیں جو اپنے غیر مذہب والے انسان کو قتل کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے اِس مقام پر شب باش ہونے کی اطلاع پاکر آگئے ہیں۔ تاکہ غفلت میں سب کو قتل کر ڈالیں۔ اِس خیال نے میرے قلب کو کچھ ایسا مرعوب کیا کہ مثل مُردوں کے ہوگئی اور ذرا حرکت وقیام کی قوت نہ رہی۔ اِس درمیان میں ویل کلبلا کر یکایک رونے لگا۔ شوہر اور داماد نے بیدار ہو کر مجھے پکارا اور اس کی حالت کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی آواز سے ذرا مجھے ڈھارس ہوئی اور دل قابو میں آیا۔ پہلے تو ویل کو تھپتھپایا۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھی اور سارا واقعہ شوہر اور داماد سے بیان کیا۔ اِن دونوں نے حسبِ عادت میرا مذاق اُڑانا شروع کیا اور جنون کی طرف نسبت دی۔ جس پر مجھے ملال تو بہت ہوا مگر خاموش ہو گئی ؛

الاؤ میں جو باہر آگ جل رہی تھی۔ وہ اتفاق سے بجھ گئی۔ میں نے تھوڑا سا گھاس پھونس اس میں ڈال کر پھونکنا شروع کیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے اور روشنی پھیلی۔ تو میں نے دیکھا کہ وہی دونوں ہندوستانی جو ہمارے ساتھ تھے اور الاؤ کے قریب چپ پڑے ہوئے

تھے - اس وقت ہماری پاسبانی کے لئے کھڑے تھے - جس میں در پردہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ جس وقت ہم کو غافل پائیں جو ہاتھ لگے لیکر چمپت ہو جائیں - اِن دونوں کے تیوروں سے ہم کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ یا تو اُسی طائفہ باغی سے ہیں کہ عمداً ہم کو اسی مقام پر قتل کرنے کے لئے لائے ہیں یا چور ہیں کہ ہمارے نقد و جواہر کا پتہ لگا کر پیچھے ہوئے ہیں اور اِسی غرض سے اُنہوں نے کشتی کو آبادی سے دُور کنارہ پر توڑ دیا ہے تا کہ ہم جب سو جائیں تو سارا مال لے کر چمپت ہوں - خدا کی مہربانی شامل حال تھی کہ میرا ولیم عین وقت پر بیدار ہو گیا اور دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے - جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہم سب بیدار ہو گئے تو ایک ہی بار بھاگ کھڑے ہوئے ؛؛

خیال کرو کہ اِس واقعہ کے بعد میں کیا خاک سو سکتی تھی - تمام رات آنکھوں میں نکل گئی - یہاں تک کہ صبح کا تارا چمکا اور شوہر خیمے سے نکل کر الاؤ پر آ کر بیٹھے اور چلنے کی بابت مشورہ کرنے لگے - ولیم چونکہ ہندوستان کے راستوں سے خوب واقف تھا کہنے لگا ؛؛

ولیم - ابھی ہم نے کانپور کا نصف راستہ بھی طے نہیں کیا - اب میری رائے میں شاہراہ پر ہو لینا چاہیئے - کیونکہ یہ بڑی سڑک ابھی باغیوں کے قبضہ میں نہیں - ممکن ہے - ہم لوگ باطمینان گذر سکیں ؛؛

میں - افسوس ہے کہ ہم جمنا کے داہنے کنارے پر کیوں نہ مقیم ہوئے وہاں آبادی بھی کم تھی اور راہگیروں کی آمد و رفت کا بھی خوف کم تھا ؛؛

شوہر- کیا ہم یہاں اپنی مرضی سے آئے ہیں جو افسوس کریں۔ دغا باز ملّاحوں نے کشتی کو شکستہ کر کے اِس طرف لا ڈالا۔ تا کہ ہمیں قتل کر کے سارا مال واسباب اِس بڑی سڑک سے لیکر چلدیں ؛

ہیں- ولیم تو کیا یہ بڑی سڑک بالکل محفوظ ہے ؟

ولیم- یہ تو ناممکن ہے کہ ہندوستان کی کوئی راہ آجکل بالکل محفوظ ہو مگر ہاں میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ شاہراہ ہے۔ باغی اِس خیال سے اِدھر نہ آتے ہوں۔ کہ کسی انگریزی پلٹن کا مقابلہ ہو جائے ؛

ہیں- پھر کیا کرنا چاہیئے۔ اگر خدانخواستہ باغی کہیں مِل گئے تو ہرگز کبھی زندہ نہ چھوڑیں گے ؛

ولیم- پھر یہ خطرہ تو ہر وقت ہی لگا ہوا ہے ؛

ہیں- ولیم۔ تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جو دوسرے مذاہب کے لوگوں کا قتل ثواب سمجھتے ہیں یہ لوگ کیا کرتے ہیں ؟

ولیم- سُنا گیا ہے کہ ان کا گروہ سات آدمیوں کا ہوتا ہے اِن باتوں کا کام ان کے دینی پیشوا کے حکم کے مطابق جداگانہ ہوتا ہے۔ ان میں ایک تو مرشد اور رئیس کہلاتا ہے اور باقی اس کے ماتحت۔ رئیس اپنے مقام پر بیٹھا بیٹھا تدابیر سوچتا ہے اور ماتحت شکار کی جستجو میں اِدھر اُدھر پھرا کرتے ہیں اور جس طرح ممکن ہوتا ہے لوگوں کو دام فریب میں پھانس کر لاتے ہیں۔ اِن میں ایک شخص سادھو ہوتا ہے جو کسی نفس کی ہلاکت میں دیوتاؤں کی تعریف میں ایک مخصوص منتر پڑھتا ہے دو

آدمی اِس لئے ہوتے ہیں کہ ایک گڑھا کھود کر تیار رکھیں۔ جس کے اندر مقتولوں کی لاشوں کو چھپا دیا جائے۔ دو آدمی قتل کرنے والے یا گلا گھونٹنے والے ہوتے ہیں ؂

میں - خدا کی پناہ کیسے سخت دل لوگ ہیں۔ ان پر ہو خدا کی مار۔ ذرا رحم نہیں کھاتے۔ اچھا پھر کیا کرتے ہیں ؟

ولیم - مار ڈالنے کے بعد اس صورت سے گڑھے میں لٹاتے ہیں کہ اولاً ایک آدمی کو سیدھا لٹایا۔ پھر دوسرے کو شکم کی طرف سے اس پر رکھا۔ مگر اس طرح کہ جس طرح پہلے کا سر رکھا ہو۔ دوسرے کے پیر ہوں اُس طرف دوسرے کا سر ہو۔ اِسی طرح جتنے مقتول ہوں سب کو تلے اُوپر رکھتے چلے جاتے ہیں۔ بعد کو مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیتے ہیں ؂

میں - یا اللہ کسی کو اِن موذیوں کے قبضہ میں نہ ڈالنا۔ ہے ہے زندگی تو جاتی ہی ہے۔ گور گڑھا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ ولیم۔ اگر خدانخواستہ یہ لوگ راہ میں مِل گئے تو کیا ہوگا ؟ اُف ۔صورت دیکھتے ہی میرا دم نکل جائیگا۔ نا بھائی کچھ ہو۔ میں ہرگز خشکی کے راستے سے نہ جاؤں گی ؂

ولیم - گھبرایئے نہیں۔ میں ان لوگوں کا طریقہ خوب جانتا ہوں۔ کہ کبھی ظاہر نظاہر نہیں لڑتے۔ ہمیشہ مکر و حیلہ سے پھانسی ڈال کر ہلاک کرتے ہیں ؂

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ کہ ایک مرتبہ ہی سوکھی گھاس اور خشک لکڑیوں پر کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میں سمجھی کہ وہی ستم پیشہ

آ گئے۔ خوف سے سارا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ میرے شوہر اور ولیم نے فوراً اپنی بندوقوں کو اُٹھا لیا اور آواز کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے ناگاہ اس طرف کے درختوں میں سے ایک بارہ سنگھا نکل کر سامنے آیا مگر جوں ہی اُس نے دُور سے ہمارے الاؤ میں آگ روشن دیکھی پریشان ہو کر ایسا بھاگا کہ پتہ ہی نہ چلا۔ میرے شوہر نے کہا۔ "قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی مادہ کی تلاش میں ہے۔ جس طرح ہم باغیوں کے ہاتھوں سے پریشان ہو کر بھاگے پھرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بیچارہ بھی شیر کے خوف سے متوحش معلوم ہوتا ہے "۔

غرضیکہ صبح ہو گئی اور ابھی تک یہ رائے قائم نہ ہوئی کہ ہم کو کس راہ سے چلنا چاہیئے۔ شاید نصیبہ برسر یاری ہو اور آگرہ چھاؤنی جانے والی فوج سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ اطراف الہ آباد میں بہ نسبت دہلی اور میرٹھ کے امن ہو گا۔

میں ۔ ولیم ۔ تم کو یہ کیونکر معلوم ہے کہ وہاں امن ہے یا نہیں۔ اگر آگرہ کی طرح وہاں پہنچ کر بھی یہی فتنہ و فساد نظر آیا تو کیا کرو گے ؟

ولیم ۔ یہ پتہ چلانا کچھ دشوار امر نہیں۔ راستہ میں کسی ہندوستانی کو کچھ دے دلا کر معلوم کر لیں گے۔ بلکہ اسی کے ذریعہ سے کھانا لباس اور سواری بھی منگا لیں گے۔

شوہر ۔ میری رائے اِس کے خلاف ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ نہیں۔ ہمارے حق میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام راستے کو چھوڑ کر

کسی غیر معروف راہ کو اختیار کریں اور کسی ہندوستانی سے اپنا بھید نہ کہیں - الہ آباد جانے سے تو سندھ کی طرف چلنا بہتر ہے کیونکہ وہاں بہت سے انگریز کاشتکار اور تاجر لوگ میرے جان پہچان کیا بلکہ سچے دوست ہیں بے شبہ اگر ہم وہاں پہنچ گئے تو وہ نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا خیر مقدم ادا کر کے اپنے گھروں میں پناہ دیں گے *

مجھے اپنے شوہر کے مزاج میں ایک خاص طرح کا دخل تھا مگر نہ اس طرح کہ جیسا فرانس کی عورتیں عموماً اپنا تسلّط اپنے شوہروں پر رکھتی ہیں - جب سے میری شادی اس کے ساتھ ہوئی تھی - ہم برابر یک جہتی اور یکدلی کے ساتھ ایک دوسرے کے غم و شادی میں شریک رہے اور میں نے آج تک کبھی اس کے مال و اسباب یا آبرو میں خیانت نہیں کی - اور ہمیشہ طریقۂ عصمت و وفاداری کو ملحوظ رکھا - اسی وجہ سے اس کو میری عقل و رائے اور صداقت و محبّت پر پورا پورا بھروسہ تھا - چنانچہ اس وقت بھی جبکہ داماد اور شوہر کی رائے میں اختلاف واقع ہوا - اس نے میری رائے طلب کی - میں نے تھوڑی دیر تک تو اس معاملے میں غور کیا - پھر خدا سے مدد مانگی اور اس ذات پاک پر بھروسہ کر کے کہا :-

میں - میرے نزدیک سب سے بہتر راستہ جمنا کے کنارے کنارے ہے

اس رائے کو دونوں نے پسند کیا اور صبح ہی کو کوچ کرنے کی ٹھہر گئی - افسوس کونسی وہ منحوس گھڑی تھی - کونسی وہ بدساعت تھی جب

یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تھے۔ کاش میں اس رائے زنی سے قبل ہی دنیا سے اُٹھ جاتی۔ تاکہ اپنے کنبہ کی تباہی و بربادی کا خوفناک منظر میری آنکھوں کے سامنے نہ آتا۔ میں بہتری اور خوشحالی کی متوالی اس سے بالکل بے خبر تھی کہ قلم قضا و قدر ہماری مرضی کے مطابق جاری نہیں ہوا۔ شوہر اور داماد کی رائیں تو مسترد ہو گئیں اور میری وہ رائے جس کی گردن پر آئندہ کی تمام بدحالی کا بار ہے پاس ہو گئی۔

اگر ہم وہ راہ اختیار کرتے جو شوہر نے تجویز کی تھی۔ تو بہت ممکن تھا کہ ہم صحیح و سالم نکل جاتے اور کسی خطرے سے دوچار ہونے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن ایسا ہوتا کیونکر؟ میری تقدیر میں تو یہی لکھا تھا کہ اپنی تمام عمر کانٹوں میں تڑپ کر انگاروں میں لوٹ کر گنواؤں حسرت زدہ اس دل سے پہروں ٹھنڈے سانس منہ سے نکالوں۔ اور تازیست اپنی اِس حماقت پر ملامت کئے جاؤں۔ اگر میں کمبخت یہ ناصواب رائے نہ دیتی تو آج اِس روزِ بد کا مُنہ نہ دیکھتی؟

ماہ مئی کی ۲۸، ۲۹ تاریخ ہو گئی اور ہم بیکسوں کو اب تک چین نہیں۔ یوں مجھے اپنی غم انگیز کہانی کا ایک ایک حصہ برسوں رُلانے کے لئے کافی ہے۔ مگر اِن دو تاریخوں میں وہ کاری چوٹیں دل پر لگی ہیں وہ گہرے نشتر کلیجے میں چبھے ہیں کہ اگر تاقیامت زندہ رہونگی تب بھی اِن دو منحوس تاریخوں کو نہ بھولوں گی۔

بالجملہ صبح ہوتے ہی ہم لوگ چل پڑے۔ تھوڑی دُور ہی گئے

ہو نگے کہ راستہ بھول گئے ۔ دو گھنٹے تک متواتر اِدھر اُدھر ٹکراتے رہے نہ ساتھ کوئی رہبر نہ خود راہ سے واقف ۔ کبھی گڑھے میں پاؤں جا پڑا ۔ کہیں کیچڑ میں پھنس گئے ۔ کبھی جھاڑیوں سے دامن اُلجھے کبھی کانٹوں سے پاؤں لہولہان ہوئے ۔ کچھ دیر کسی جنگل میں گھومے ۔ کچھ دیر کسی میدان میں مچھروں نے اس قدر کاٹا کہ چہروں پر ورم آگیا ۔ میدانوں کی دھوپ لے وُہ تیزیاں دکھائیں کہ ہوش باختہ ہوگئے ۔ ایک آفت ہو تو کوئی اس کو جھیل بھی لے ۔ یہاں تو ایک جان اور ہزار جنجال کا مصداق تھا ۔ اِدھر تو دھوپ کی تیزی، پھر ہوا کی تندی ۔ لو کی لپٹیں ۔ پھر زمین کا پھُکنا ۔ خدایا تیری پناہ کہ ہے کو آج تک ان روح فرسا اور جان شکن مصائب کا سامنا ہوا تھا بلا مبالغہ کہتی ہوں کہ زمین سے ایسی شعلہ انگیزی ہو رہی تھی گویا ایک تنور تھا ۔ کہ جس کے اندر اگر لوہا ڈال دیا جاتا تو فوراً اچھل جاتا ۔ اس وقت میں جو بے چینی مجھے اور میرے کنبہ کو بالخصوص میرے چھوٹے بچوں کو تھی ۔ اس کو بس میں ہی خوب جانتی ہوں ۔ بمشکل تمام ہم ایک ایسے گھنے جنگل میں داخل ہوئے ۔ جہاں سے کئی پگڈنڈیاں مختلف مقامات کو گئی تھیں ۔ داہنی جانب کو ایک وسیع صحرا میں جانے کا رستہ تھا اور بائیں جانب جدھر کا کنارہ چلا چلا گیا تھا ۔ خستگی ہم پر بہت زیادہ اثر کئے ہوئے تھی ۔ بالخصوص شوہر اور داماد پر جو صبح سے برابر سامان کی گٹھڑیاں سر اور پشت پر

لادے چلے آتے تھے ۔اس لئے اب چلنے سے عاری ہو گئے۔ اور ایک قدم آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی۔ میں اور ایلین باری باری ویل کو گود میں لیتے تھے۔ بچہ لُو۔ گرمی اور دھوپ کی تیزی سے پیاسا ہوا۔ دریا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے مَم مَم کی صدا بلند کرتا تھا اس کی اِس بے چینی نے مجھے بے قرار تو بہت کیا۔ مگر تپ مہلک عارض ہونے کے خوف سے میرے دل کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جمنا کے میلے پانی سے اسے سیراب کروں۔ اس کے بلکنے سے چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ مگر مجھے کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بکثرت ناریل درختوں میں لگے ہوئے تھے۔ مگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا ہی نہیں۔ اگر کسی صورت سے ایک پھل بھی ہاتھ آجاتا تو میں اس کے عرق سے ویل کی پیاس بجھا دیتی۔ مجھے یہ اندیشہ اور بھی کھائے جاتا تھا کہ اگر اسی طرح ہم کو تمام دن چلنا پڑا اور قیام کے لئے کہیں مناسب جگہ نہ ملی تو میرا پلا پلایا بچہ تڑپ تڑپ کر ہی مر جائے گا ؛

عالم اضطراب و پریشانی میں مجھے ایک تصویر کا خیال آگیا جو ہمارے ملاقات کے کمرے میں لٹکی رہا کرتی تھی۔ اس کو فرانس کے ایک بڑے ماہرِ فن نقاش نے بنایا تھا جس میں ایک انگریز کاشتکار اور اس کے اہل و عیال کی خانہ بربادی اور تباہ حالی کو دکھایا گیا تھا یعنی جس وقت وہ غمگین اور آفت زدہ کنبہ افلاس کی سختی سے ترکِ

وطن کر کے کسی دوسرے ملک کو جانے لگا تو یہ حالت تھی کہ باپ سر جھکائے محزون و مغموم آنکھوں میں آنسو بھرے آگے آگے تھا۔ ماں جگر سوختہ عسرت زدہ۔ باحال پریشان شیر خوار بچے کو گود میں لئے پیچھے پیچھے۔ ماں کے عقب میں ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکی، بوسیدہ لباس پہنے۔ اس کے پیچھے دس بارہ سال کا ایک لڑکا اثاث البیت کی گاڑی کھینچتا ہوا۔ جس وقت میں اس پردہ تصویر کو دیکھا کرتی تھی۔ ایک حزن و ملال کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہوتی تھی۔ مجھے اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ میری حالت بھی ایک دن ایسی ہی ہوگی اور یہ نقل میرے لئے اصل ہو جائے گی۔

جب چلتے چلتے ہم لوگ تھک گئے۔ تو تھوڑی دیر سستانے کو ایک انجیر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور تھوڑے سے کچے پکے پھل توڑ کر کھائے۔ ولیم نے جیسا کہ نامزد دامادوں کا قاعدہ ہے۔ کہ عروس کے عزیز و اقارب کی خدمت سے خوش ہوتے ہیں زمین کو ہمارے لئے جھاڑنا شروع کیا اور تمام گھاس پات جمع کر کے آگ لگا دی کہ حشرات الارض اور دوسرے گزندہ جانور اس قطعہ سے دور ہو جائیں۔ خاص کر مچھر جو نہایت موذی جانور ہے۔ گھاس جل جانے کے بعد اس نے درخت کی پتلی پتلی شاخوں سے اس راکھ کو سمیٹ کر ایک طرف کر دیا اور درختوں کے چوڑے چوڑے پتّے لاکر تمام زمین پر فرش کی طرح بچھا دئے۔ اور بکمال ادب مجھ سے اور ایلن

سے اِس بساطِ درویشی پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ میرا شوہر بندوق کندھے پر رکھے شکار کی جستجو میں ایک سمت کو چلا گیا۔ تھوڑی دُور ایک شیریں چشمہ تھا۔ جہاں پرندے بکثرت پانی پی رہے تھے۔ اِن میں سے چند چڑیاں شکار کر کے معہ جنگلی پھلوں کے واپس آیا اور ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا۔ اِس مقام پر ہم لوگوں کو کچھ تھوڑا سا آرام ضرور ملا۔ کھانا بھی شکم سیر ہو کر کھایا۔ پانی بھی ٹھنڈا اور میٹھا پیا۔ گھڑی بھر کو سو بھی گئے۔ تین بجے کے قریب پھر چلنے کی فکر ہوئی۔ مگر یہ سوچتے تھے کدھر کو جائیں۔ اگر اس صحرا میں سے گذریں تو یہ کوسوں لمبا ہے ہم میں اِتنی طاقت کہاں؟ ہمارے لئے دو ہی راستے تھے یا تو جمنا کے کنارے کنارے یا اس صحرا کے درمیان۔ میں نے کہا چاہے کسی راستے پر چلو مگر شب باشی جنگل میں نہ ہونی چاہیئے۔ ہندوستان و انگلستان کے حکما و شعرا نے اکثر مقام پر اپنے کلام میں اِس کو ظاہر کر دیا ہے کہ "جنگل میں زندگانی پُرخطر ہے اور وہاں رات کو رہنا باعثِ نقصان و ضرر"

بہت سی فکر کے بعد آخر الامر اِسی جنگل کی راہ سے جانا قرار پایا۔ درندے اور ایذا دہندے جانور ہندوستان کے جنگلوں میں بے شمار ہیں۔ قسم قسم کے زہریلے ناگ کالے۔ چیتے۔ موٹے۔ پتلے۔ شیر۔ ریچھ۔ گینڈے۔ سور۔ ہاتھی۔ گیدڑ۔ بندر وغیرہ وغیرہ۔ اِن کے علاوہ مچھر۔ پسو۔ زہریلی مکھیاں جو آدمی کی جانی دشمن ہیں۔ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ پھر زمینوں کی ناہمواری کہیں کھائی کہیں خندق کہیں پشتہ

کہیں ٹیلہ۔ کہیں گھاٹیوں میں اور نالوں میں اِس قدر گندہ اور کثیف پانی جمع رہتا ہے کہ آس پاس کی ہوا زہریلی اور متعفن ہو جاتی ہے۔ گڑھوں کے کناروں پر چونکہ اکثر بیل دار گھاس اُگتی ہے اور وُہ اُن کے مُنہ پر چھا جاتی ہے لہذا ایک ناواقف راہ گیر اوندھے مُنہ اُن میں جا رہتا ہے اور غریب کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اسی خوف میں ہماری یہ کوشش تھی کہ جس طرح بنے۔ دن ہی دن میں اس جنگل سے باہر ہو کر کسی گاؤں میں قیام پذیر ہوں یا اگر آبادی میں پہنچنا ممکن نہ ہو تو کسی کھلے میدان میں درخت کے نیچے ڈیرے ڈال کر رات بسر کریں ؏

وہ راستہ تو کچھ ایسا زیادہ طولانی نہ تھا۔ مگر ہمارا وہم اس کو کوسوں دُور پھیلا ہوا سمجھ رہا تھا ہر وقت یہی خوف تھا کہ نہ معلوم دن کی روشنی میں اس سے باہر ہو بھی جائیں گے یا نہیں۔ ایک گھنٹہ زیادہ سے زیادہ ہم چلے ہوں گے کہ جنگل کا سلسلہ کم ہونا شروع ہو گیا۔ ایک بلند ٹیلے پر پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ دُور تک ایک وسیع سلسلہ میدان چلا جاتا ہے۔ جس میں جا بجا سبزہ لہلہاتا ہے۔ ہرے بھرے کھیت نظر آتے ہیں۔ جن کے قرب وجوار میں کچھ آبادی سی بھی معلوم ہوتی اِس منظر نے ہم کو بہت فرحت بخشی۔ جیسا میدان دل ڈھونڈتا تھا ویسا ہی ملا۔ اس کے بیچوں بیچ میں ہوتی ہوئی ایک بڑی سڑک میدان کے آخری کنارہ تک چلی گئی تھی۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ کوئی بڑی بستی یہاں آباد ہے۔ مسجدوں کے مینار اور مندروں کے گنبد بھی نظر آتے

تھے ؛

مس - ولیم - یہ سڑک کس بستی کو گئی ہے ؟

ولیم - یہ شہر اُناؤ ہے ؛

مس - بھلا اب یہاں سے کانپور کتنی دُور ہے ؟

ولیم - اوہ - کانپور اور اُناؤ تو ملے ہی ہوئے ہیں - زیادہ سے زیادہ بارہ تیرہ میل ہوگا ؛

شوہر - چلو بس اس میدان کو طے کر کے آبادی میں داخل ہو جائیں اور شہر کے کنارے رہی پر کسی ہندو مسلمان کے گھر میں کچھ دن بسر کریں گو ہندوستانیوں کا ہمارے ساتھ خلق و مدارات سے پیش آنا محال ہوتا ہے - لیکن قسمت آزمائی ضروری ہے - کیا بعید ہے کہ کوئی خدا کا بندہ کچھ انسانیت کو کام میں لے آئے اور مہمان نوازی اور غریب پروری کو روا رکھے - اس کے سوا اس پُر آشوب زمانے میں بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ جہاں تک میرا خیال ہے - اس طرف فتنہ و فساد کے آثار بہت کم پائے جاتے ہیں اور یہ مقام پُر خوف نہیں معلوم ہوتا - دیکھو ولیم وہ سڑک پر اونٹ مال تجارت سے لدے ہوئے جا رہے ہیں - اس طرف دیکھو - ہاتھی پر مسافر کس اطمینان سے راہ طے کر رہے ہیں یہ سامنے بیل گاڑیاں بھی نہایت بے فکری سے جا رہی ہیں - داہنی طرف دیکھو وہ چند سوار کیسے آہستہ آہستہ گھوڑوں پر چلے آ رہے ہیں - ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ہر طرح

امن و امان ہے ؛

غرضیکہ ہم لوگ شوہر کی رائے کے موافق یہاں سے چلے اور قریب آبادی کے پہنچے - میرے شوہر نے پھر وہی اپنی چرخی چلانی شروع کی کہ دیکھو یہ پالکیاں اور محلیں کہار اپنے کندھوں پر لئے خوشی خوشی جا رہے ہیں - وہ دیکھو ہندو مسلمان فقیر کیسے اطمینان سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں - کسان وہ سامنے والے کھیت میں ہل چلا رہا ہے یہ دیکھو کنوئیں سے ہندوستانی عورتیں پانی بھر بھر کر کیسی خراماں خراماں جا رہی ہیں - دیہاتیوں کے بچے بھی راستے میں خوشی سے کھیل رہے ہیں کیوں ولیم کیا یہ سب باتیں سلطنت کے امن کی علامت اور رعایا کی آسودگی کا نشان نہیں ہیں ؟

ایک مدت ہوگئی تھی کہ میں نے اپنے شوہر بیچارہ سے اس قسم کی باتیں نہ سُنی تھیں - کیونکہ وہ ہمارے ساتھ رہنے اور انگریزوں کے گروہ میں نہ ملنے سے بجد ملول تھا - اب جبکہ اس نے ہراس کا غلبہ ہمارے اُوپر دیکھا تو یہ کلمات ہمیں تسکین دینے کی غرض سے کہنے لگا - گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ ایام رنج و تعب انتہا کو پہنچ گئے اور مصیبت کا زمانہ ختم ہوگیا - لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ اس کی تمام باتیں میرے کان کو ذرا بھی نہ لگیں - بلکہ جس قدر وہ اپنے خیال کی تائید میں زیادہ نظیریں پیش کرتا تھا - اُسی قدر میں دل ہی دل میں گھٹی جاتی تھی - گویا میں نے لوح قسمت سے یہ پڑھ لیا تھا کہ ہماری بدبختی اور مصیبت

دم بدم زیادہ ہی ہوگی ؀

نواں حادثہ

خدا یا فلک نے ستایا ہمیں
نہ دیکھا تھا جو کچھ دکھایا ہمیں

ہم سئے سوگز کے فاصلہ پر ایک باغ کے درمیان سے دو راستے جاتے تھے۔ ایک گاؤں کی طرف اور دوسرا شارع عام کی جانب میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کچھ دُور پر ایک سیاہی سی نظر آئی۔ بہت کچھ نظر جمائی۔ مگر صاف معلوم نہ ہوا۔ کبھی دل میں کہتی تھی کہ یہ بکریوں کا گلہ ہے۔ چرواہا ان کو بستی کی جانب لا رہا ہے۔ کبھی کہتی تھی ہو نہ ہو۔ یہاں گائیں بھینسیں چر رہی ہیں۔ پھر خیال ہوا۔ نہیں یہ تو کچھ سوار سے معلوم ہوتے ہیں۔ خدا جانے ہمارے موافق یا مخالف؟ انہوں نے ہمکو دیکھ تو ضرور لیا ہوگا؀

شوہر (مجھ سے مخاطب ہو کر) یہ اس طرف تم کیا برابر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو؟

میں - دیکھو تو یہ سامنے کیا چیز نظر آتی ہے؟

شوہر (پیشانی پر ہاتھ رکھ کر) ہاں کچھ ہے تو۔ مگر صاف سمجھ میں نہیں آتا؀

ولیم۔ کس طرف۔ میں بھی دیکھوں؟

میں۔ یہی سامنے دیکھو۔ وہ کیا سیاہی سی نظر آرہی ہے اگر خدانخواستہ باغیوں کا گروہ ہمارے تعاقب میں آیا ہے تو بڑی مصیبت آئی یہاں تو کہیں بھاگنے کا موقعہ بھی نہیں ؎

شوہر۔ تمہیں تو وہم ہوگیا ہے۔ اِس خشکی دماغ کا خدا ہی حافظ ہے ؎

ولیم۔ آیئے وہاں چل کر دیکھ ہی کیوں نہ لیں۔ بہرحال یوں بھی مرنا ہے یوں بھی۔ اگر دشمن ہی ہیں تو نہ یہاں سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں نہ وہاں سے اور اگر کوئی اور معاملہ ہے تو دل کا وسوسہ ہی مٹ جائیگا راستہ بھی تو ہمارا اِدھر ہی سے ہے ؎

ولیم کے قول کے موافق ہم اس طرف کو چل پڑے۔ جتنا ہم قریب ہوتے جاتے تھے۔ ہماری حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ کیونکہ وہاں سے ایسی سخت بُو آرہی تھی کہ دماغ پریشان ہوئے جاتے تھے۔ آگے بڑھے تو وہی نقشہ نظر آیا جو دہلی کے کوچوں میں انگریزوں کے قتل کے وقت دیکھا گیا تھا۔ یعنی بہت سے ہمارے ہم وطن گلا کٹائے خاک پر خون میں نہائے پڑے تھے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کہ کل یا پرسوں یہاں اِن کی باغیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی ہوگی۔ یہ تقریباً بیس آدمیوں کی لاشیں ہوں گی۔ باغیوں نے اپنے مقتولوں کو یا تو گنگا میں بہا دیا تھا یا زمین میں دفن کر دیا تھا۔ لیکن بیچارے انگریزوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئیں طعمہ زاغ وزغن ہو رہی تھیں۔ وہ جماعت جو

ہم کو دُور سے معلوم ہوتی تھی۔ گوشت خور پرندے اور وحشی درندے تھے جو ہمارے ہم وطنوں کی لاشوں کو پنجوں میں دبائے زہر مار کر رہے تھے۔ میرے شوہر اور داماد نے یہ دیکھ کر اپنی بندوقیں سنبھالیں اور فیر کرنا شروع کیا۔ بہت سے گدھ۔ کوّے کتّے اور گیدڑ خاک پر لوٹنے لگے۔ جب ہم ذرا اور آگے بڑھے اور لاشوں کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تو دیکھا کہ چند بدہیکل اور قوّی الجثّہ گدھ لاشوں پر ٹوٹے پڑے ہیں اور اس قدر گوشت کھا چکے ہیں کہ حرکت نہیں کر سکتے۔ ولیم اور میرا شوہر ان کو بندوقوں کی نالیوں سے مار مار کر ہٹانے لگے۔ جب ہمارے جانے کا راستہ کھل گیا تو میں ویل کو گود میں لئے ایلین کا ہاتھ پکڑے اِن کشتگانِ ظلم کے درمیان سے گذری۔ دفورِ غم سے کلیجہ پاش پاش تھا۔ کثرتِ حزن سے آنکھیں نمناک تھیں۔ سبحان اللہ۔ میرے شوہر کے سخنانِ بشارت آمیز سے کیا اچھی مسرّت حاصل ہوئی۔ کیا خوب امن و امان دیکھا۔ سو قدم بھی نہ چلے تھے کہ ان کے خیال کی تکذیب ہو گئی قرینے سے معلوم ہوا کہ اس شہر میں بدامنی روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ برگشتہ نصیبی تو دیکھو ابھی دہلی کے فرقہ باغی سے پوری طرح امان نہ ملی تھی کہ قسمت نے الہ آباد اور اودھ کے ستم پیشوں کے ہاتھ میں گرفتار کر دیا ؂

خلاصہ یہ کہ دُور سے ایک گاؤں کے آثار دکھائی دئے۔ اس گاؤں کے چاروں طرف ایک کچّا احاطہ تھا جس کے نیچے ایک چوڑی

اور گہری خندق باشندوں کی حفاظت کے لئے کھودی گئی تھی۔ جو راستہ ہم اضطرار اُطے کر رہے تھے وُہ اُسی گاؤں کو جاتا تھا۔ اُس کے اطراف وجوانب میں ہم نے ترکاریوں اور گنے وغیرہ کے کھیت زیادہ دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ گاؤں بہت آباد ہے لیکن بظاہر آدمیوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ چہار دیواری کے اندر چند درخت خرمے کے آپس میں ملے کھڑے تھے۔ میرے شوہر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا:۔

شوہر۔ اِن درختوں میں کوئی چیز لپٹی ہوئی جھنڈے کی مانند نظر آرہی ہے (مجھ سے مخاطب ہو کر) ذرا تم بھی دیکھنا؛

میں۔ جی یہ انگریزوں کا اقبال مند جھنڈا ہے۔ جو آپ لوگوں کی رہنمائی کے لئے اِس درخت پر نصب کر دیا ہے؛

شوہر (جھنجھلا کر) بعض وقت تمہاری گفتگو نہایت جگر خراش ہوتی ہے۔ اگر انگریزی جھنڈا بھی ہو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ابھی یہ بات پُوری طرح ادا بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ چیز جو خوبصورت جھنڈے کی مثل معلوم ہوتی تھی۔ ایک جاندار کی مانند دفعتاً بالائے درخت سے زمین پر آپڑی۔ ہم کو سخت حیرت تھی کہ یہ کیا چیز ہے۔ آیا کوئی انسان ہے یا بندر ہے دُور سے دونوں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ لیکن جس پھُرتی سے اِس نے خود کو گرایا تھا۔ اس سے بہ نسبت انسان کے بندر ہونے کا زیادہ احتمال ہوتا تھا۔ کچھ غور و تامل کے بعد میرے شوہر نے کہا:۔

شوہر۔ خدا خیر کرے کچھ آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ہو نہ ہو یہ

دیدبان تھا۔ جس کو گاؤں کے لوگوں نے چاروں طرف کا حال معلوم کرنے کے لئے بٹھا دیا تھا۔ دیکھ لو۔ اُس نے یونہی ہم کو دُور سے آتا دیکھا فوراً کُود گیا۔ اب کوئی دم میں دیکھ لینا۔ لوگ ہماری طرف چلے آتے ہوں گے۔

حقیقتاً یہ خیال میرے شوہر کا ٹھیک تھا۔ چند ہی منٹ بعد ایک سُرخ پوش سواروں کا گروہ ہمیں اپنی طرف آتا معلوم ہوا۔ میں نے شوہر سے کہا۔ کیا بعید ہے اگر یہ لوگ انگریز ہوں۔ کیونکہ یہ وردی تو خاص انگریزوں کی ہی ہے۔

شوہر۔ کیا باغی لوگ ایسا لباس نہیں پہن سکتے؟

میں۔ میں یہ کب کہتی ہوں کہ نہیں پہن سکتے۔ مگر کبھی پہنے دیکھا نہیں

شوہر۔ تم بیچاری جانے کیا دیکھتیں۔ چاہے کسی بات کا پتہ ہو یا نہ ہو۔ رائے زنی کرنا ضرور ہے۔

میں کئی روز سے اپنے شوہر کے عادات و خصائل کو بدلا ہوا پا رہی تھی۔ جو کچھ میں کہتی تھی وہ عمداً اس کے خلاف کرتا تھا اور میری رفتار۔ گفتار اور کردار سے بہت زیادہ ضد رکھنے لگا۔ گویا اُسے مجھ سے کوئی خاص عداوت تھی۔ اس کی وجہ فقط میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ چونکہ اس نے مجھ کو ہمیشہ آرام دیا تھا اور ہر طرح سے دل ہاتھوں میں لیا تھا اب وہ میرے اوپر قسم قسم کی سختیاں دیکھ رہا ہے اور ایسا بے بس ہے کہ کچھ کر نہیں سکتا۔ اس شرمندگی میں بات بات پر جھنجھلاتا

ہے اور خجالت سے عرق عرق ہوا جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ وہ ہم سے علیحدہ علیحدہ چلتا تھا۔ اکیلا بیٹھتا تھا۔ ہمارے کسی سوال کا جواب نہ دیتا تھا اور اگر دیتا بھی تھا تو سخت لہجے میں۔ ہائے کیا یہ وہی میرا باوفا بیس برس کا شوہر تھا؟ کیا یہ وہی میرا عاشق زار اور دلدار تھا؟ اگر قسمت چند روز ہم کو اور اسی طرح زندگی بسر کرنے کا موقعہ دیتی تو شاید میری طبیعت اور حالت اِس سے بھی بدتر ہو جاتی۔ کیونکہ جس طرح ہماری ضعف اجسام کا باعث ہے۔ اِسی طرح نکبت و بدبختی پریشان خاطر اور انکسارِ قلب کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان تنگدستی میں زیادہ چڑچڑا۔ بدمزاج اور بے مروّت بن جاتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ولیم نے میرے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا:۔

ولیم:۔ امّاں جان۔ ٹھیک کہتی ہو۔ یہ سامنے سے آنے والے انگریز ہیں نہ اہلِ بغاوت۔

یہ کہہ کر اس نے اپنا کوٹ اُتار بندوق کی نال پر بطور جھنڈی لگا دیا اور بآوازِ بلند کہا:۔

"خدا انگریزوں کو سلامت رکھے"

"خدا انگریزی حکومت قائم رکھے"

فوراً آٹھ سوار بجلی کی طرح اپنے گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے ہماری طرف آئے اور بیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بندوقیں ہماری طرف چھتیا دیں۔ قریب تھا کہ وہ باڑھ ماریں کہ ایک بوڑھے

سردار نے ذرا سا آگے بڑھ کر بنگالی زبان میں ہم سے پوچھا :-

سردار۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو ؟

ولیم (آگے بڑھ کر) مجھے سخت تعجب ہے کہ کپتان مارٹن اپنے دوست شاگرد اور بیٹے کو نہیں پہچانتا ۔

یہ سنتے ہی وہ پیر مرد گھوڑے سے اُتر پڑا اور ہاتھ کھولے ولیم کی طرف دوڑا ۔

میں ان کی ملاقات کو تفصیل سے نہیں لکھتی ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے موقعہ پر کیا حالت ہوتی ہے ۔

کپتان مارٹن ایک جنگ آزمودہ اور کاردیدہ انگریزی سردار تھا ۔ اور برسوں سے ہندوستان میں کپتانی کی خدمت سرانجام دے رہا تھا ۔ میرے داماد کا مربّی ۔ محسن اور منہ بولا باپ اور شرعی سرپرست تھا کیونکہ ولیم کا باپ اس کے بچپن ہی میں مر گیا تھا ۔ ماں بھی نہ تھی ۔ اسی کپتان نے باپ کی دوستی کا یہ حق ادا کیا کہ یتیم ولیم کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور پرورش و تربیت کر کے حدِ بلوغ تک پہنچا دیا جس میں خود ملازم تھا ۔ اسی میں ملازم کرا کے نیابت کا عہدہ بھی دلوا دیا ہم نے ولیم سے اس کا نام تو سینکڑوں مرتبہ سُنا تھا ۔ لیکن دیکھا نہیں تھا ۔ جشنِ زفاف میں جہاں ہمارے گھر اور بہت سے انگریز مہمان تھے ۔ یہ بھی تھا ۔ لیکن باغیوں کی شورش سے ملاقات کا موقعہ نہ ملا اور کپتان فوراً واپس چلا گیا تھا ۔

غرض کہ ولیم نے معانقہ سے فارغ ہو کر ہم میں سے ہر ایک سے جان پہچان کرائی - وہ ہم سب کو لئے ہوئے گاؤں کی طرف روانہ ہوا:
کپتان مذکور کے ہاں مقیم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پندرہ سوار آٹھ پیادوں کے ساتھ فرخ آباد سے بھاگا ہوا الہ آباد یا بنارس کی طرف جاتا تھا - کیونکہ فرخ آباد میں ایک کثیر جماعت انگریزوں کی قتل کر ڈالی گئی تھی - درمیان راہ میں ایک بہت بڑا گروہ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا ملا - جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا - اس کی غیرت و حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا کہ اِن آفت رسیدوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلا جائے اور کسی محفوظ مقام تک نہ پہنچا دے پس بطور جنگ مغلوبہ وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا یہاں تک آیا تھا کہ ناگاہ ایک فوج باغی سپاہیوں کی آ گئی اور اس کا محاصرہ کر لیا - اِس محاربہ میں دس آدمی کپتان کی فوج کے ضائع ہو گئے اب وہ باغیوں کی اس فوج کے مقابل جو چشمہ کے کنارے پر پڑی ہوئی ہے اور حد درجہ خشمناک ہے - اِن چند اشخاص کے ساتھ چاہتا ہے کہ کسی تدبیر سے بچ جائے - گاؤں والے سب کے سب اپنے مویشیوں کے ساتھ بھاگ کر باغیوں کے ساتھ جا ملے تھے اور کپتان بیچارہ کمی آذوقہ اور بالخصوص پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہایت بیچین تھا:
چونکہ انسان کو تجربے سے یہ معلوم ہے کہ جب بدبختی حد کو پہنچ جاتی ہے تو نیک بختی اور خوش اقبالی کا آفتاب طلوع کرتا

لہذا ہم بھی مثل انہی مصیبت زدوں کے جو درحقیقت ہم سے زیادہ بدبخت تھے۔ آئندہ زمانے میں حصول اطمینان اور کشادگی کار کے منتظر تھے اور یہ یقین کر رہے تھے کہ تکلیف کا زمانہ ختم ہو گیا اور سختی ایام انتہا کو پہنچ چکی۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"۔

ہم لوگ ایک دوسرے کو خوشی خوشی آئندہ خوشحالی کی بشارت دے رہے تھے۔ میرا شوہر جو برابر مجھ سے ملال انگیز اور جگر خراش باتیں کئے جاتا تھا۔ یکبارگی شیریں گفتاری و دل نوازی کی طرف مائل ہو گیا۔ یا ناک بھوں چڑھائے ہوئے تھا یا دم بھر میں کلی کلی کھل گئی۔ چہرہ پر مسرت و شادمانی کے آثار رنمودار ہوئے۔ گویا کپتان کا ملنا ہمارے بے جان جسموں میں جان آنا تھا۔ اس کی حمایت میں ہماری آئندہ بہتری جھلک رہی تھی۔ ایلن کیسی میٹھی میٹھی نگاہوں سے اپنے شوہر کے منہ بولے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ ولیم کی خوشی کے مارے باچھیں کھل جاتی تھیں۔ سارا رنج و غم دور ہو گیا۔ ایک بار جوشِ مسرت میں کہنے لگا:۔

ولیم۔ یقین ہے چند روز کے بعد یہ سب غدر موقوف ہو جائے گا۔ اگر خدا نے چاہا تو میں بھی جشن عروسی دوبارہ قائم کرونگا اور اپنے تمام احباب کو جمع کر کے کئی روز تک محفلِ نشاط قائم رکھونگا۔

جب ہم لوگ خندق پر سے عبور کر گئے تو سواروں نے تختے کو اٹھا لیا اور موافق معمول ایک دیدبان درخت پر پھر جا بیٹھا۔ کپتان مارٹن باغیوں کے حملے کی وجہ سے سخت پریشان تھا اور اس امید پر یہاں

پڑا ہوا تھا کہ شاید الہ آباد سے آنے والی پلٹن اس طرف سے گذرے اور اس کے ساتھ ہو کر باغیوں سے خوب جی کھول کر لڑے۔ یہ دیدبان دو کاموں کے لئے معیّن کیا گیا تھا۔ اوّل تو باغیوں کی آمد کا حال معلوم کرے۔ دوسرے اگر کوئی انگریزی پلٹن کمک کو آ رہی ہو۔ تو اس کے ورود کی خوشخبری سے جلد مسرور کرے ؎

رات سر پر آ گئی تھی۔ ہم کپتان مارٹن کے مسکن کے قریب ایک گھر میں مقیم ہو گئے۔ سپاہیوں میں سے نو آدمی نصف شب تک پہرہ دینے کے لئے معیّن ہوئے اور نو دوسری شب سے صبح تک پاسباں قرار پائے۔ میرے شوہر اور داماد نے اپنی پاسبانی کو نصف شب کے بعد منظور کیا ؎

یہ بات قرار دی گئی تھی کہ اگر باغیوں کا حملہ ہو تو سب عورتیں اپنے اپنے مقام کو چھوڑ کر کپتان مارٹن کے کمرے میں جمع ہو جائیں۔ نصف شب کے گذر جانے کے بعد میرے شوہر اور ولیم کی باری آئی۔ کپتان نے ہماری فرودگاہ میں آ کر خود ان دونوں کو بیدار کیا اور یہ تیار ہو کر چلے۔ میں بھی اس خیال سے پیچھے ہو لی کہ دیکھوں یہ کس مقام پر پہرہ دیں گے اُنہوں نے ہر چند چاہا کہ میں واپس چلی جاؤں۔ مگر میں نے ایک نہ سُنی اور اُن کے ساتھ ساتھ وہاں چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے واپس آ کر آرام سے سو گئی۔ اِس بات کا مجھے اقرار کرنا چاہیئے کہ آج کی نیند بہت گہری تھی۔ کیونکہ میں اس وقت بیدار ہوئی جبکہ ایلن نے کئی بار میرا بازو

پکڑ کر ہلایا۔ گھبرا کر اُٹھی تو ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ ایلین سے معلوم ہوا کہ باغی گاؤں میں آگھسے اور ایک طرف آگ لگادی ہے۔ ہم نے جلدی سے ویل کو گود میں لیا۔ ایلین کا ہاتھ پکڑا اور کپتان مارٹن کے مسکن کی طرف چلدی۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ باغیوں نے ایک جلتی ہوئی مشعل ایک گھر پر پھینک دی۔ چونکہ دیہات کے مکانوں پر چھپر بکثرت ہوتے ہیں اس لئے فوراً آگ لگ گئی۔ ہماری بدبختی سے اس وقت ہوا ایسی تیز چل رہی تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں چاروں طرف سے گاؤں بھڑ بھڑ ہونے لگا۔ گزوں اُونچی لپیٹ سرخ شعلوں کی بلند ہو رہی تھی دھواں تمام فضائے آسمانی میں چھایا ہوا تھا۔ تقریباً پچاس میمیں جو مختلف مقامات سے فرار کر کے آئی تھیں اور اندازاً اتنے ہی یتیم بچے ہمارے گرداگرد کپتان کے مکان میں اِس مصیبت عظمےٰ سے نجات کے لئے دُعا مانگ رہے تھے۔ ہرایک کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ تھا۔ چہروں کی رنگت زرد پڑی ہوئی تھی۔ ہوش وحواس گم تھے۔ ایک دُوسرے کو حسرت سے دیکھتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ ہمارے مردوں نے اوّل تو جمع ہو کر تھوڑی دیر مقابلہ کیا۔ پھر ان کی کثیر جماعت دیکھ کر تحفظ ناموس کے خیال سے سب ہمارے پاس آگئے۔ میں نے بہتیرا گردن اُبھار اُبھار کر دیکھا۔ لیکن اِن لوگوں میں کہیں اپنے شوہر اور داماد کا پتہ نہ پایا۔ سخت حیران تھی کہ یہ لوگ کہاں رہ گئے۔ خدانخواستہ کہیں زخمی ہو کر تو نہیں گر پڑے یا کہیں مر کر تو نہیں رہ گئے ؛

جب پریشانی زیادہ بڑھی تو میں مجمع کو چیرتی پھاڑتی چلی۔ کہ اُس مقام پر جاکر دیکھوں جہاں وُہ پاسبانی کے لئے گئے تھے۔ تھوڑی دُور ہی گئی تھی کہ وُہ دُور سے آتے دکھائی دیئے۔ اُن کے پیچھے ہی باغیوں کا گروہ بھی شور مچاتا چلا آتا تھا۔ جوں ہی یہ صورت دیکھی۔ کئی انگریز اپنے سینوں کو سپر اور ہدف نشانہ اعدا بنا کر ہمارے سامنے کھڑے ہوگئے، تاکہ مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ باغیوں نے نزدیک ہوتے ہی خنجر و شمشیر سے لڑنا شروع کیا۔ آہ آہ۔ اوّل وُہ شخص جو بے جان ہو کر خاک پر گرا۔ ہمارا سردار۔ ہمارا مددگار کپتان مارٹن تھا۔ اُس کے قتل ہونے سے سواروں کے دل ٹوٹ گئے۔ اور باغیوں کے دل بڑھ گئے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ ہماری طرف کے جوان قتل ہو ہو کر خاک پر گر رہے ہیں اور باغی برابر آگے کو بڑھے چلے آتے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں سب کا فیصلہ ہوگیا اور دشمن ہم عورتوں کی صفوں تک پہنچ گئے۔ اور چند بیکس اور فلک ستائی عورتوں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

میرا شوہر اور داماد جو ایک گوشے میں مشغول پیکار تھے۔ لڑائی سے ہاتھ روک کر چلائے۔ "تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ جلدی یہاں سے بھاگو" یہ صدا سنتے ہی میں نے ایلین کا ہاتھ پکڑا۔ اور بھاگنے پر آمادہ ہوئی اتنے میں وہ دونوں بھی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ولیم نے ایلین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور میں نے ڈیل کو سینے سے چمٹایا۔ شوہر آگے تھا اور

ہم سب اُن کے پیچھے پیچھے جس قدر جلد بھاگ سکتے تھے بھاگے۔ اُف۔ یہ بھی ایک خاص مصیبت کا وقت تھا۔ جس کو تمام عمر نہ بھولوں گی۔ رات کا وقت۔ دشمنوں کا شور۔ چاروں طرف آگ کے شعلے۔ دشمن کے تعاقب کا کھٹکا۔ کلیجے سینوں میں دھڑ دھڑ ہو رہے تھے۔ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ بیکسی اور بے بسی کی حالت تھی اور یہ چند ہستیاں ؞

دسواں حادثہ

ٹوٹی کشتی مری اور پاس کنارہ نہ رہا
ڈوبتے بیڑے کو تنکے کا سہارا نہ رہا

آہ آہ۔ بُرا ہو۔ اس فلک ناہنجار کا۔ کہ چند روز میں اُس نے وُہ مصیبتوں کے پہاڑ سر پر گرائے۔ وُہ بلائیں نازل ہوئیں۔ جن کو شاید ہم تمام عمر کی مدت میں بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ بھاگ کر جان بچ جائے گی۔ مگر مقدراتِ الٰہی میں کسی کا کیا زور جس کو راہِ نجات سمجھے تھے۔ وہ ہی طریقہ ہلاکت و عذاب نکلا۔ جس کو باعثِ حیات جانا۔ وہی موجب موت ہوا ؞

خلاصہ یہ کہ رہنمائے تقدیر نے ہم کو گاؤں کی اس سمت پہنچایا۔ جہاں سے باغی خندق پاٹ کر اور دیوار میں نقب لگا کر اندر داخل ہوئے تھے۔ ہم نے اس راہ کو غنیمت جانا اور اس کے ذریعے سے

باہر نکل کر جنگل کی طرف بھاگے۔ ستم پیشہ ہندوستانی جو ہمارے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ اس قدر نزدیک ہو گئے کہ اُن کے قدم کی چاپ سُنائی دینے لگی۔ خوف سے اسقدر جرأت بھی نہ تھی کہ مُڑ کر اُن کی طرف دیکھتے اور یہ معلوم کرتے کہ کتنے آدمی تھا۔ البتہ جہاں تک تیزی سے بھاگنا ممکن تھا بھاگے۔ اتفاق سے سامنے گنّوں کا ایک کھیت تھا جس میں قد آدم گنّے کھڑے تھے۔ ہم جلدی سے اس میں داخل ہو گئے اُسی وقت بگل کی آواز ہمارے کان میں آئی۔ شوہر نے آہستہ سے کہا:۔

شوہر۔ اب مطمئن ہو جاؤ۔ یہ بگل باغیوں کے سردار نے سواروں کو واپس بُلانے کے لئے بجایا ہے۔ جس وقت یہ واپس ہو گئے۔ پھر کوئی خطرہ نہ رہے گا۔

میں (کان لگا کر) بیشک یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اب ان لوگوں کے پاؤں کی آواز بھی نہیں سُنائی دیتی۔ شاید سب لوٹ گئے۔ اس وقت خدا کی بڑی مہربانی ہوئی۔ ورنہ ہم میں اب دس قدم بھی دوڑنے کی طاقت نہ تھی۔

شوہر (ولیم سے مخاطب ہو کر) ولیم اب آتے تو نہیں معلوم ہوتے؟

ولیم۔ مجھے تو آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں قدم بڑھائے چلے چلو۔

ولیم کا یہ خیال ٹھیک تھا۔ وہ شریر الطبع لوگ بگل کی آواز سے بھی واپس نہ گئے اور بعض اِدھر اُدھر سراغ رسانی میں گھوما کئے دو چار ستم کیشوں نے محض دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے اس کھیت

کی طرف ایک بار ہی کئی بندوقیں بلا کسی نشانے کے چھوڑیں۔ ہائے اِن بندوقوں کے چلتے ہی دو شخص آہ کا نعرہ مار کر خاک پر گر پڑے ایک میرے آگے داماد۔ دوسرا میرے پیچھے شوہر۔ اِن کا گولی کھا کر گرنا تھا کہ تمام دُنیا میری نگاہ میں تیرہ و تار ہو گئی۔ وِیل کو گودی سے پھینک کر روتی پیٹتی شوہر کے پاس گئی اور جلدی سے اُس کا سر اُٹھا کر آغوش میں رکھ لیا۔ ہائے۔ ایسے سخت وقت میں بھی اس کے دل سے میرا خیال کم نہ ہوُا۔ مجھے روتا دیکھ کر کہنے لگا:۔

شوہر۔ زیادہ بے قرار نہ ہو۔ صبر سے کام لو۔ میرا تو کام تمام ہو ہی گیا ہے۔ ایسا نہ ہو تمہارے نالہ و شیون کو سُن کر وہ ستم پیشہ یہاں آجائیں اور میرے معصوم وِیل کو ہلاک کر ڈالیں۔

میں۔ اُف۔ مجھے اِس عالم بیکسی میں کس پر چھوڑے جاتے ہو۔ کس کے ہاتھ میں ہاتھ دئے جاتے ہو؟ لعنت ہے اِس دُنیا اور زندگی دُنیا پر کہ تم جیسا شفیق دُنیا سے چل بسے اور میں کنبہ موئی در در ٹھوکریں کھانے کے لئے رہ جاؤں۔

شوہر۔ آہ آہ۔ اِس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ خدا پر نظر رکھو۔ وُہ سب کا حافظ و مددگار ہے۔ مرضی خدا میں کسی کا کیا چارہ ہے۔ تمہاری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ عالم غربت میں ہم سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاؤ۔ اُف اُف۔ اب دل میں درد زیادہ ہونے لگا ہے۔

میں۔ اُف کیا غضب ہو گیا۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ تمہارے گولی لگی کہاں ہے؟

شوہر (سینے پر ہاتھ رکھ کر) گولی پشت کو توڑ کر سینہ میں گھس گئی ہے یہ مقام ذرا غیر محفوظ ہے۔ مجھے سہارا دے کر کسی قدر اور آگے لیچلو۔

میں نے اپنی طاقت کے موافق اِسے سنبھالا اور اس مقام تک لائی۔ جہاں گنے زیادہ گھنے تھے۔ خون برابر زخم سے بہہ رہا تھا اور دم بدم چہرے پر مردنی چھائی چلی جاتی تھی۔ ہائے اِس ویران مقام پر کس ڈاکٹر کو لاؤں۔ کس جرّاح کو بلاؤں کہ میرے عزیز شوہر کی مرہم پٹی کرے۔ درد کی اِس قدر شدت تھی کہ مچھلی کی طرح تڑپتا تھا۔ اُف کیا وقت ہم بیکسوں پر آگیا تھا کہ نہ زخمی درد سے کراہ سکتا تھا اور نہ میں آہ منہ سے نکال سکتی تھی۔ اِس بے چینی کے عالم میں مجھ سے کہا

شوہر۔ ویل اور ایلین کو میرے پاس لاؤ۔ میں اِس آخری وقت میں اُن کو اپنے سینہ سے تو لپٹا لوں ۔

میں جلدی سے ویل کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے پاس لے گئی۔ ہائے بسمل باپ نے کس حسرت سے اس بچے پر نگاہ ڈالی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سینہ سے لپٹایا اور اسی کرب و بے چینی کے عالم میں رُخسار پر بوسہ دیا۔

میں ایلین کے پاس دوڑی ہوئی گئی کہ شاید ولیم بیچارہ میں اتنی طاقت ہو کہ اُٹھ کر اپنے خسر کے پاس چلا آئے اور اس کا آخری دیدار دیکھ لے۔ کاش میری آنکھیں کور ہو جاتیں۔ کاش میں اس سے قبل ہلاک ہو گئی ہوتی۔ کاش میں سارے کنبے کا فدیہ قرار پا جاتی اور جانکاہ مناظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی۔ جو اس قیامت خیز رات میں دیکھے

وہاں شوہر کی وہ حالت - یہاں داماد کی یہ کیفیت کہ زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے ایلین بیچاری مصیبت کی ماری، آغوش میں سر لیئے چاند کی روشنی میں حسرت سے اُس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی - میں جانے بھی نہ پائی تھی کہ موت کا پسینہ پیشانی پر آیا اور اس کڑیل جوان کا دم ہوا ہو گیا - میری بیٹی کے صدمہ کا اندازہ کچھ وہی بدنصیب عروس کر سکتی ہے جس کی وصل کی پہلی رات مفارقت ابدی سے بدل گئی - جس کی مانگ بیاہ ہوتے ہی اُجڑ گئی ؛

میں نے ایلین سے کہا "بیٹی مرنے والا تو مر گیا اور اب اس کو چھوڑ کر زندہ کی خبر لیں تیرا باپ بری طرح زخمی ہو گیا ہے - کوئی امید اُس کی جان بری کی نہیں - کوئی دم کا مہمان ہے - تجھ کو برابر یاد کیئے جاتا ہے اور مجھے اور تجھے اس کے پاس رہنا چاہیئے ؛

اس پر غم و الم کا کچھ ایسا ہجوم تھا کہ میری کسی بات کا جواب نہ دیا اور اسی طرح بُت بنی مردہ شوہر کا چہرہ دیکھتی رہی - میں چونکہ شوہر کو بہت نازک حالت میں چھوڑ کر آئی تھی - اِس لئے ایلین کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوئی اسی حالت میں چھوڑ کر پھر شوہر کے پاس پہنچی ؛

شوہر - ولیم اور ایلین کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں ؟ میں چاہتا تھا کہ ان کی صورت دیکھ کر دُنیا سے رخصت ہوں ؛

میں - وہ یہاں سے کسی قدر فاصلہ پر ہیں - میں تم کو تنہا چھوڑ کر وہاں کیسے جاؤں ؟

شوہر- کسی طرح وہ یہاں آجاتے تو میں اُن کے رُخسار چوم کر رخصت کر دیتا - آہ - پھر وہ کہاں اور ہم کہاں - کیا اُن کو میری اِس حالت کی مطلق خبر نہیں ؟ بس اب ہم کوئی دم ہی کے مہمان ہیں ؀

میں - آپ گھبرایئے نہیں وہ اب آتے ہی ہونگے ؀

شوہر - اگر ہمارے مرنے کے بعد آئے تو کیا آئے - میں تو بس ایک آدھ منٹ کا اور مہمان ہوں ؀

میں - یہ کیسی مایوسانہ باتیں کرتے ہو - خدا آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے ؀

شوہر - اُف اُف اُف - میرا کام تمام ہوا چاہتا ہے - بدن سرد ہونے لگا - اچھا لو . . . . خدا حا . . . .

خدا حافظ زبان سے پورا نکلا بھی نہ تھا کہ دم نکل گیا اور میں بدبخت دُکھیا آوارہ وطن بیوہ ہو گئی ؀

جس سے جینے کا مزہ تھا وہ دریغا نہ رہا
میرا والی میرا وارث میرا شیدا نہ رہا

میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایسی حالت میں کیا کروں ؀

نہ مونسے نہ شفیقے نہ ہمدمے دارم
حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

دنیا میں میرے سوا اور بھی کوئی مظلوم و ستم رسیدہ عورت ہو گی کہ شوہر مرا پڑا ہو گا اور وہ اس کی لاش پر سینہ زنی اور سر کوبی بھی

نہ کرسکتی ہوگی - یہ میں جانتی ہوں کہ مرنے والے کے لئے یہ نالہ وفغاں مفید ہے نہ گریہ وبکا - مگر فطرتاً انسان اِس بات کے لئے مجبور ہے کہ جب کوئی عزیز ہمیشہ کے لئے اس سے جُدا ہو جائے تو وہ اپنی بیقراری کا اظہار نہ کرے ؛

ہائے میں اس مُردے پر جس قدر سر پیٹتی بجا تھا - جس قدر اشک آنکھوں سے بہاتی روا تھا - کیونکہ یہ وہ شخص تھا - جس سے میرا لطفِ زندگی وابستہ تھا - اِس دم کے سہارے سے مجھے دنیا کی نعمتیں حاصل تھیں - اِس وجود سے میرے دل کو تسلّی اور طبیعت کو خوشی تھی یہ ایک ذات میرے لئے سب کچھ تھی - یہ میرا مالک تھا - میرا ہمدرد تھا - یہ دُکھ کا شریک اور غم کا ساتھی - یہ خوشی کا دینے والا اور الم کا دُور کرنے والا تھا - کیا ہوگیا - اب اس مرنے والے کو کہاں سے لاؤں گی - اُف اپنا دردِ دل کس کو سُناؤں گی ؟

نظم از مترجم

مرے مولا مری بگڑی کے بنانے والے
اے مرے سوزِ درونی کے مٹانے والے
جز ترے حالِ دلِ زار سُناؤں کس کو
سوزشِ داغِ جگر سوز دکھاؤں کس کو
پھُونکا ہے آتشِ غم نے دلِ مضطر میرا

رہ گم کردہ ہوں کوئی نہیں رہبر میرا
صبح سے شام مجھے ہوتی ہے روتے روتے
راتیں کٹ جاتی ہیں اشکوں سے منہ دھوتے دھوتے
درد رگ رگ میں ہے لیکن کوئی درمان نہیں
جاں کے بچنے کا بظاہر کوئی سامان نہیں
ہو شفا خاک مرض سے جو مداوا نہ رہے
کیا وہ بیمار جئے جس کا مسیحا نہ رہے
کون طوفاں میں خبر ہے مری لینے والا
چھٹ گیا مجھ سے مری ناؤ کا کھینے والا
ہائے کوئی نہیں امداد کو آنے والا
ڈوبا پہلے ہی مرا پار لگانے والا
جس سے جینے کا مزا تھا وہ دریغا نہ رہا
میرا والی میرا وارث میرا شیدا نہ رہا
کون اب میری مدارات ہے کرنے والا
لے گیا ساتھ مرے عیش کو مرنے والا
خلش خار ہے اب کون مٹانے والا
خاک پر سوتا ہے پھولوں کا پہنانے والا
کوئی سامان نہیں جی کے بہلنے کے لئے
سینکڑوں دل میں ہیں ارمان نکلنے کے لئے

یا الٰہی کوئی یوں بیکس و بے یار نہ ہو
مجھ سے دُنیا میں کوئی صاحب آزار نہ ہو
صاحب اوج کا یا رب نہ گرانا پایا
سر سے عورت کے نہ شوہر کا اُٹھانا سایا
موت آجائے مگر یہ نہ مصیبت آئے
جان سے جاتی رہے۔ بیوہ نہ مگر کہلائے
کیا مزہ زیست کا جب کوئی پرستار نہ ہو
گھر وہ ہے قبر سے بدتر جہاں دلدار نہ ہو
یا الٰہی مجھے اب صبح نمودار نہ ہو
بعد اس رات کے دُنیا سے سروکار نہ ہو

الغرض اپنے مردہ شوہر کے سر کو آغوش میں اور اس یتیم بچے کا ہاتھ پکڑے جو لاش سے لپٹا ہوا سو رہا تھا۔ بیٹھی تھی۔ رنج و غم کا بادل چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ یاس و حسرت کی گھٹائیں اُمنڈ رہی تھیں کہ ناگاہ سُورج کا پُرخون چہرہ نیلگون آسمان کے گریبان سے ظاہر ہوا۔ میں نے نگاہ بھر کر لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ اسی طرح خاموش بیٹھی اپنے شوہر کو تک رہی تھی۔ آدمی نہ تھی بلکہ پتھر کی مورت تھی۔ جس میں نام کو حس و حرکت نہ تھی۔ وہ اپنے شوہر کو اس طرح سے لئے بیٹھی تھی۔ گویا وہ بے خبر سو رہا ہے اور منتظر ہے کہ اب خواب سے بیدار ہو۔ میں نے بھی اس کو دیکھا دیکھی آنکھوں سے آنسو

پونچھے اور بغور اپنے شوہر کی پیاری صورت کو دیکھنے لگی - طرح طرح کے وسوسے دل میں آنے لگے - نہ معلوم کون کون سا زمانہ نظروں میں پھر گیا - روئی اور خوب جی کھول کر روئی - پھر ذرا دل کو تسکین دی اور سوچا کہ مرنے والے مر گئے - اب اس طرح سوگوار بنے بیٹھے رہنا کیا فائدہ دیگا - کچھ بچاؤ کی تدبیر کرنی چاہیئے - یقین ہے کہ باغی آفتاب کے طلوع ہوتے ہی پھر چاروں طرف ڈھونڈھنے نکل پڑینگے اگر خدا نخواستہ کسی نے ہم کو دیکھ لیا تو سب کو ہلاک کر ڈالینگے ؛

میرا طفل صغیر ویل چونکہ کوتاہ قامت تھا - اس لئے گنوں میں چلے جانے کے بعد اس کا وجود دکھلائی نہ دیتا تھا - وہ ہر منٹ کے بعد مجھ سے جدا ہو کر اپنی بہن کے پاس جاتا تھا - اور اس کو پیار کر کے لوٹ آتا تھا - میں اول تو یہ سمجھتی تھی کہ یہ اس مصیبت عظمیٰ سے واقف ہو گیا ہے اور جان گیا ہے کہ باپ بہنوی قتل ہو گئے - لیکن جب اس نے مجھ سے یہ پوچھا کہ ابا کب سوتے ہیں اور کب بیدار ہوں گے - تو میں سمجھی کہ وہ باپ کے مرنے کو ابھی نہیں سمجھا - آہ - کیونکر اس پر ظاہر کروں کہ یہ خواب خواب ابدی ہے - اس کے بعد اب بیدار ہو گا ہی نہیں - اُف - کیونکر کہوں کہ یہ نیند موت کی نیند ہے - اب اس سے چونکنا ممکن ہی نہیں - مجبوراً اتنا کہنا پڑا :-

"ویل چونکہ تو معصوم ہے - خدا سے اپنی قوم کے مُردوں کے لئے دُعائے مغفرت کر اور ہمارے لئے آسایش و

اطمینان کا خواہاں ہو۔ خدا تیری دُعا قبول کرے گا ٭

یتیم بچے نے ننھے ننھے ہاتھ درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کر کے میرے بتائے ہوئے الفاظ اپنی زبان پر جاری کئے۔ جب دعا سے فارغ ہو گیا۔ تو میں نے کہا "بیٹا جاؤ۔ اب اپنی بہن کے پاس ہو آؤ اور مجھ سے بیان کرو کہ وہ اب کیسی ہے۔ رو رہی ہے یا اسی طرح خاموشی سے شوہر کو تکے جاتی ہے" لڑکا دوڑا ہوا گیا اور آ کر خبر کی کہ وہ رو رہی ہے۔ میں شکر بجا لائی۔ کیونکہ کثرت رنج و غم کے وقت اگر کوئی شخص گریہ نہ کرے تو اس کی ہلاکت یا دیوانگی کا خوف ہوتا ہے کیونکہ دل کا بخار نہیں نکلتا ٭

ہم تو اس عالم میں تھے اور گاؤں کی طرف سے برابر باغیوں کے شور و غوغا کی آواز چلی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بگل کی آواز بھی کان میں آئی۔ اور اس کے ساتھ دھوئیں کے غٹ کے غٹ آسمان پر جاتے دکھائی دئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے گاؤں کے بقیہ گھر بھی اس خیال سے جلا دیئے کہ شاید ہم میں سے کوئی شخص کہیں چھپا ہوا ہو ٭

جب ڈیل بار بار میرے اور اپنی بہن کے پاس آتے جاتے تھک گیا تو خاموش ہو کر میرے پہلو میں آ بیٹھا۔ اور میرے بازو پر تکیہ کر کے غمگین آواز میں کہنے لگا کہ اماں مجھے بھوک لگی ہے اور پیاسا بھی ہوں ٭

اس کا یہ کلام سُن کر میں نہیں کہہ سکتی کہ میری کیا حالت ہوئی۔

ہائے اِس بیابان میں اپنے ناز پروردہ بچے کے لئے کہاں سے پانی بہم پہنچاتی؟ کس سے غذا مانگ کر لاتی؟ دریا دُور۔ جنگل ناپیدا کنار جس چیز کی تلاش میں جاتی۔ دور و دراز مسافت طے کرنا ہوتی۔ مجھ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ شوہر کی لاش کو اکیلا چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوں۔ اِس حالتِ بے بسی میں یہ ایک عجیب خیال میرے دماغ میں آیا اور وہ یہ تھا کہ باغیوں کے پاس جا کر بکمال عجز و انکسار دستِ سوال دراز کروں اور جس طرح ممکن ہو اپنے بچے کے لئے ایک روٹی کا ٹکڑا اور تھوڑا سا پانی مانگ کر لاؤں۔ اگر اُنہوں نے سنگدلی کو کام میں لا کر مجھے مار ڈالا تو زہے نصیب اور اگر رحم کھا کر دیدیا تو بچّے کی جان بچ جائے گی۔ لیکن پھر غیرت متقاضی نہ ہوئی اور کیونکر ہوتی۔ افسوس جن ظالموں نے میرے عزیز شوہر اور پیارے داماد کو قتل کیا۔ جنہوں نے دشت و صحرا کی خاک چھنوائی پھر انہیں سے سوال کروں۔ ہرگز نہ ہوگا۔

اگر دن نہ ہوتا اور تاریکیِ شب پردہ پوش ہوتی تو ضرور طلبِ غذا میں اِدھر اُدھر نکل جاتی اور جس طرح ممکن ہوتا کچھ میوے اور پھل درختوں سے توڑ کر لے آتی۔ لیکن اب اس آفتاب کی تپش جس نے موجوداتِ عالم کے ہر ذرّے سے نقاب اُٹھا دی ہے اور سوائے ہماری ہر چیز کے لئے مایۂ حیات بن رہی ہے۔ کیونکر اس کھیت سے باہر جاؤں اسی بحرِ تفکر میں غوطہ زن تھی کہ بارِ دیگر بچّے نے بھوک بھوک کی فریاد شروع کی۔ میں مردہ کو بھول کر زندہ کی نجات کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھی اور

شوہر کی لاش کو چادر سے ڈھانپ کر لڑکے سے کہا۔ "شور نہ مچانا تیرا باپ سوتا ہے"۔ جب میں ایلین کی طرف سے گذری۔ تو اُس نے پوچھا "کہاں جا رہی ہو؟" میں نے دو کلموں میں اپنا مطلب اس پر ظاہر کیا اُس نے جواب کے بدلے ہاتھ بڑھا کر کھیت سے ایک گنّا توڑا اور میری طرف پھینک دیا جس سے یہ مطلب تھا کہ ویل کو گنّا چُوسنے کو دیدو۔ مجھے اس کی یہ تدبیر بہت پسند آئی۔ واپس جا کر ایک گنّا ویل کو دیا۔ جس کے چُوسنے سے بھُوک اور پیاس میں کسی قدر تسکین ہوئی اور اس نے رونا موقوف کیا۔ مگر مجھے یہ کھٹکا لگا رہا کہ اگر تھوڑی دیر میں پھر اسے بھُوک معلوم ہوئی اور مجھ سے غذا طلب کی تو کیا دوں گی؟

میرے خیال میں ہرگز دنیا میں کوئی ماں مجھ سے زیادہ بدبخت اور کوئی بیوہ عورت مجھ سے بڑھ کر تباہ حال اور مصیبت زدہ نہ ہوئی۔ میں سخت حیران تھی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ کس سے جا کر اِس دُکھ کو بیان کروں۔ کون اِس وقتِ بیکسی میں میرے کام آئے۔ اگر باغیوں کے پاس جاؤں تو اُن سے کوئی احسان کی اُمید نہیں۔ وہ تو وہی ہیں جنہوں نے سخت بد دلی سے ہمارے وطن کے مردوں کو قتل کیا۔ اور عورتوں کو اسیر۔ ہمارے گھر جلائے اور ہمارے املاک کو لوٹا یقین ہے کہ وُہ ہماری جستجو میں اِدھر اُدھر پھرتے ہوں گے۔ اگر کہیں ہم پر نظر پڑ گئی تو بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ اب یہاں زیادہ ٹھہرنے سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ آخر کب تک اپنے اِن عزیزوں پر

جن کے پلٹنے کی تا قیامت اُمید نہیں - گریہ وزاری کریں گے - علاوہ اِس کے ہندوستان کی گرمی مردوں کو بہت جلد سڑا دیتی ہے - بس اب اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کپتان مارٹن کے ان سواروں کی طرح جن کو ہم نے کل جنگل میں دیکھا تھا - اپنے اِن پیاروں کی لاشوں کو بھی زیر آسمان آفتاب کے مقابل کتوں اور کوؤں اور گدھوں کے کھانے کو چھوڑ دیں اور یہاں سے جہاں خدا لے جائے چلدیں ٭

آہ آہ ! وہ گدھ جن کو کل ہم نے اپنے ہم وطنوں کی لاشوں سے جبراً ہٹایا تھا اور ان کی خوراک میں خلل ڈالا تھا - آج وہ آ کر ہمارے مُردوں کے اُوپر منڈلائیں گے اور تلافی مافات کریں گے اور ایسا نوچیں گے - کہ ان کے جسموں پر کوئی چیز باقی نہ رہے گی - کیا میں اِس بات پر راضی ہو گئی ؟ کیا میں نے یہ قبول کر لیا کہ یہ لاشے مردہ خوروں کی آتش شکم بن جائیں - ہرگز ہرگز - چاہے میری اُنگلیاں قطع ہو جائیں لیکن جب تک اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کی گور نہ کھود لوں گی - جب تک اُس کو خاک میں نہ سونپ دوں گی - ایک قدم یہاں سے آگے نہ بڑھاؤں گی ٭

اِس خیال کے آتے ہی فوراً میں نے زمین کھودنی شروع کر دی اور قریب ایک گھنٹہ کے برابر کھودتی رہی - یہانتک کہ میری انگلیوں اور ناخنوں سے خون جاری ہو گیا - اور زیادہ کھودنے کی تاب نہ رہی ابھی دو انگشت سے زیادہ زمین نہ کھُدی ہو گی کہ یہ حال ہو گیا - یا میرے اللہ ! میں کیا کروں - کیونکر اپنے مقصد میں کامیاب ہو نگی اِس

میں گدھ مُردوں کی بو سُونگھ کر میرے سر پر منڈلانے لگے۔ میں ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ مُردے پر ٹوٹ پڑیں۔ پھر دوبارہ جوش میں آکر اپنے کام میں مشغول ہوئی۔ میرے ناخنوں کے اندر ایسا ریت بیٹھ گیا کہ زمین چھونے سے درد ہوتا تھا۔ بہت چاہا کہ تھوڑی سی زمین اور کھود دوں۔ مگر ممکن نہ ہوا۔ اِسی عالم غم والم میں گور کو ناتمام چھوڑ کر سر آسمان کی جانب بلند کیا۔ نزدیک تھا کہ کلماتِ کفر میری زبان پر جاری ہو جائیں مگر پھر سنبھلی اور دل سے کہا یہ کیا تیری حالت ہے۔ انسان کو ہر حال میں شکر ہی کرنا چاہیئے اور کبھی درد شدائد کی شکائیت سے لب کو آشنا نہ بنانا چاہیئے۔ دُنیا دار المحن ہے۔ اِس میں کسی کو چین نہ ملا ہے نہ ملیگا کوّے اور گدھ اب اِس قدر نزدیک ہو گئے تھے۔ کہ اُن کے پر پرواز کے وقت میرے سر سے مس کرتے تھے۔ اب میں اور زیادہ گھبرائی اور بے چین ہو کر چلّانے لگی :-

"او ظالم باغیو اور ستم پیشہ بلوائیو۔ کہاں چھپ گئے۔ کہاں مر گئے۔ کیوں نہیں آکر اِس دُکھیا کا کام تمام کر دیتے تاکہ وہ اِس وحشت خیز زندگی کی کشاکش سے چھُوٹ جائے"۔

مجھے اِس طرح چلّاتے دیکھ کر ویل دوڑا اور میرے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگا:

میں (غمگین آواز سے) کیا ہے بیٹا۔ کیوں روتے ہو؟

ویل - اماں جان - مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ تم کھانا کیوں نہیں دیتیں ؟

اُف - اب کیا کروں - اپنے عزیز شوہر کے دفن کی فکر کروں - جس کے ساتھ سالہا سال تک پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھی ہوں - یا اِس طفل صغیر کی جان بھوک سے بچاؤں - جو میری آنکھوں کا تارا اور دل کا ٹکڑا ہے - بے اختیار ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھی کہ جس طرح ممکن ہو جنگل سے تھوڑے سے پھل مہیّا کر کے اس کے واسطے لاؤں - اوّل لڑکی کی طرف گئی - دیکھا کہ وہ اسی طرح اپنے شوہر کا سر آغوش میں لئے بیٹھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں - میں نے پاس جا کر اپنے ارادے سے آگاہ کیا - اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا :-

ایلن - اُف اماں - تمہیں کھانے پینے کی فکر پڑی ہے - اس کا خیال ہی نہیں کہ یہ مُردے خاک پر پڑے ہوئے ہیں - کیونکر تمہارے دل نے یہ گوارا کیا - کہ اِن لاشوں سے جدا ہو کر وحوش و طیور کو ان پر مسلط کر دو ؎

میں - میں نگوڑی اپنا پیٹ آٹنے نہیں جاتی - ویل بھوک سے بلک رہا ہے - دیکھ تو میری اُنگلیوں کا کیا حال ہے - صبح سے برابر کھود رہی ہوں ؎

میری اِس تقریر سے ایلن نے یہ سمجھا - کہ میں نے اپنے شوہر کی قبر کھودی ہے - تو اپنے شوہر کی قبر کھود لے ؎

ایلین - علیحدہ علیحدہ قبر کے کھودنے کی کیا ضرورت ہے - ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کر دینا چاہیئے ؛

میں - ابھی قبر تیار نہیں ہوئی - میرا مقصد زخمی انگلیاں دکھانے سے یہ تھا کہ کسی آلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام ہاتھ زخمی ہو گیا اور قبر دو انگشت سے زیادہ گہری نہ ہوئی ؛

ایلین نے جواب دینے کی بجائے اپنے شوہر کے سر کو آغوش سے اُٹھا کر زمین پر رکھا اور اس کی کمر سے وہ خنجر کھول کر جو کل کے محاربہ سے خون آلود تھا - وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئی - میں اس کے پیچھے پیچھے اس مقام پر پہنچی جہاں ناتمام قبر تھی - زمین چونکہ جتی ہوئی اور ملائم تھی - اس لئے خنجر سے اس کا کھودنا بہت آسان ہو گیا - میں نے ایک دھجی کپڑوں سے پھاڑ کر ہاتھ پر لپیٹی اور داہنے ہاتھ میں خنجر لے کر پوری طاقت سے کھودنا شروع کیا - میرا بچہ وِبل یہ سمجھ کر کہ ہم اُس کے لئے زمین کھود رہے ہیں - خوشی خوشی ہمارے ساتھ مٹی باہر نکال رہا تھا - اس کو اس کی کیا خبر - کہ میں اس کے باپ اور بہنوی کی گور کھود رہی ہوں - میں نے اِس خیال سے کہ وُہ بھوک کا خیال بھول جائے اور اس حادثہ کی طرف ملتفت نہ ہو - اس سے کہا :

میں - بیٹا - جس وقت میں یہ گڑھا اتنا گہرا کھود دوں گی کہ اگر اس کے اندر تم کھڑے ہو جاؤ - تو باہر سے سر نظر نہ آئے - تب ایک روٹی تم کو دوں گی ؛

ویل۔ تو جلدی جلدی کھود دیئے۔ ہمیں تو بھُوک لگی ہے ؎

ویل اور ایلین بڑی محنت کے ساتھ قبر کھود رہے تھے کہ ناگاہ پشت کی جانب سے جہاں ولیم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ایک آواز ہمارے کان میں آئی۔ ہم دونوں نے حیران ہو کر اس طرف دیکھا اور معاً دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ کہیں ولیم زندہ ہو کر تو نہیں اُٹھ بیٹھا۔ مگر افسوس یہ خیال بالکل لغو اور بے بنیاد تھا۔ ولیم ایسی نیند نہیں سویا تھا کہ اس سے بیدار ہو جاتا۔ آہ دیکھا تو یہ دیکھا کہ مُردہ خور جانور اس کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے چنگل سے اس کے رُخسار کو پکڑ پکڑ کر زمین سے اُٹھا رہے ہیں۔ ہم دونوں دوڑے۔ وُہ ہمیں آتا دیکھ کر اس بیچارے کو زمین پر ڈال کر بھاگ گئے ؎

ایلین نے رو کر کہا۔ "اماں جس طرح بنے۔ اِن کے دفن کرنے میں جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وحشی جانور ہجوم کر کے لاشوں کو لے بھاگیں یا ہمارے سامنے ہی تکا بوٹی کر دیں"۔ تین گھنٹے متواتر ہم نے حرارت آفتاب میں وہ گڑھا کھودا۔ جب بقدر ضرورت گہرا ہو گیا تو ہم نے چاہا کہ دونو لاشوں کو زیر خاک سونپ دیں۔ لیکن فکر یہ تھی کہ کیونکر ان کو اُٹھا کر یہاں تک لائیں اور کونسی لاش نیچے رکھیں اور کونسی اُوپر؟ میں اور ایلین دونوں مل کر اِن لاشوں کو یہاں تک لائیں یا ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کی لاش کو اُٹھا کر لائے۔ اور قبر میں رکھے۔ محبّت مادری نے مجھے اس پر مجبور کیا کہ چند منٹ اپنی دختر کو اور مہلت دوں کہ وُہ

اپنے شوہر کو وقتِ آخر اور سیر ہو کر دیکھ لے۔ اِس لئے میں نے اپنے شوہر کے دفن کو مقدم سمجھا۔ اس کی لاش کے پاس گئی اور سر کو زمین سے اُٹھا کر اپنے شانہ پر رکھا۔ اور جسم کو آغوش میں لے کر زمین پر کھینچتی ہوئی قبر کے کنارہ پر لے آئی۔ میرا بچہ اِس خیال سے کہ اِس کام میں مجھے مدد دے اپنے باپ کا دامن ہاتھ ہاتھ میں پکڑے چلا جاتا تھا۔ جب ہم قبر کے پاس پہنچ گئے تو یہ خیال میرے دل میں آیا کہ کیا اِسی طرح اپنے شوہر سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں اور کوئی نشانی اِس سے نہ لوں؟ بدوں تردّد ہاتھ بڑھا کر وُہ اشرفیوں کی تھیلی جو اس کی کمر میں تھی۔ کھول کر اپنی کمر میں باندھ لی۔ یہ مختصر سرمایہ تھا جو ہماری کثیر دولت سے باقی رہ گیا تھا۔ یہ وہ املاک تھی جو میرے یتیم بچے نے اپنے باپ کی املاک سے پائی۔ یہ وہ بضاعت تھی جو ایک بیوہ عورت کو بے کسی کی زندگی گذارنے کے لئے شوہر سے ملی۔ لیکن یہ مقدار مال یہ اشرفیوں کی تھیلی کیونکہ ہمیشہ کے لئے میرے واسطے شوہر کی یادگار بن سکتی ہیں۔

بہرحال کمال حیرت و افسوس سے میں نے پھر ایک نظر اُس کے چہرہ پر نگاہ ڈالی۔ سر بے حرکت تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا۔ سر کے بال خاک میں بھرے اور ایک دوسرے سے چپکے ہوئے دیر تک کملائی ہوئی صورت دیکھ کر روتی۔ ایک بار جوشِ محبت میں پیشانی پر بوسہ دیا۔ بالوں سے خاک صاف کر کے انہیں چکنایا اور چند بال لے کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لئے اور یہ عہد کیا کہ جب تک زندہ

رہوں گی - اس نشانِ محبّت کو اپنے سے جُدا نہ کروں گی - بلکہ اپنے ساتھ گور میں لے کر جاؤں گی اور اس کے بدلے میں وُہ انگشتری جو شادی کے روز اس نے مجھے پہنائی تھی - اپنی انگلی سے اُتار کر اس کی اُنگلی میں پہنائی - جس سے یہ منشا تھا کہ جب تک زندہ رہوں گی کوئی دوسرا شوہر نہ کروں گی اور بیوگی کی حالت میں عمر گذاروں گی - اس کے بعد ایلین کو آواز دی اور اس کی مدد سے لاش کو گڑھے میں اُتارا - پھر داماد کے لاشہ کو بھی لا کر اُسی میں رکھا اور ایک مختصر سی دُعا پڑھنے کے بعد وہ تمام اسلحہ جو ان کے ساتھ تھے سوائے ایک خنجر کے جس کو میری لڑکی نے شوہر کے مال سے لے لیا تھا - اسی گڑھے میں ڈال دیئے اور اس پر مٹی ڈالنی شروع کی - گو اس کو سفاہت وجنون ہی کہا جائے گا کہ مٹی ڈالتے وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ زیادہ مٹی پڑنے سے ان کی رُوح کو تکلیف ہوگی - ہائے محبّت بُری بلا ہے - ویل اب تک اس معاملہ کو نہ سمجھا تھا - لیکن جب میں نے مٹی ڈالنی شروع کی - تو اُس نے رنجیدہ ہو کر مجھ سے پوچھا :-

ویل - ابّا اور دولھا بھائی پر تم مٹی کیوں ڈال رہی ہو - ان کے کپڑے خراب ہوئے جاتے ہیں ؏

میں اب اصلی واقعہ بیان کرنے پر مجبور ہو گئی - آنکھوں میں آنسو بھر کہا :-

میں - بیٹا - تمہارا باپ اور بہنوی مر گیا - میرے لال آج تو یتیم ہو

گیا۔ شفیق پدر کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

یہ سنتے ہی اس نے بلند آواز سے رونا شروع کیا۔ ہم بھی بے چین ہو کر اس گریہ وزاری میں شریک ہوئے اور دل کھول کر روئے۔ ابھی ہماری آنکھ سے آنسو نہ تھمے تھے کہ ایک ہی مرتبہ توپ کی آواز سُنائی دی اور سپاہیوں کی ہائے ہُو کا شور کان میں آیا۔ اس کے کچھ دیر بعد بگل کی آواز کان میں آئی۔ پھر نقارہ بجا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ سپاہی دوسری طرف جا رہے ہیں۔ ہم اس خیال سے خوش ہوئے اور شکر خدا بجا لائے۔ کہ اِن خونخوار وحشیوں کی دست برد سے پناہ ملی۔ ابھی ہماری زبان شکریہ ادا کرنے بھی نہ پائی تھی۔ کہ پھر طبل اور بگل کی آواز آئی اور ایسا معلوم ہوا کہ ایک رسالہ ہماری طرف آ رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ اِن ظالموں نے فوج کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک اِس طرف بھیجا ہے اور ایک اُس طرف۔ چونکہ راستہ اُن کا اسی گنّوں کے کھیت کی طرف سے تھا۔ اِس لئے میں نہایت پریشان ہوئی کہ کہاں چھپوں اور کس طرف جاؤں۔ ایلن جو مجھ سے زیادہ ہوشیار رہتی۔ فوراً بھائی کو گود میں لے کر اسی گڑھے میں لیٹ گئی اور مجھے اشارہ کیا کہ تم بھی یہیں لیٹ رہو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت اس گڑھے میں دو مُردے اور تین زندہ مدفون تھے۔ سپاہیوں کی فوج اسی طرف سے گذری۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کسی نے ہم کو نہیں دیکھا۔ جب ہم کو یہ یقین ہو گیا کہ اب دُور نکل گئے۔ فوراً قبر سے باہر آئے اور جلدی جلدی

اپنا کام انجام دینے لگے - جب تمام گڑھا پُر ہو گیا تو ہم نے اثر تازگی مٹانے کے لئے سوکھی گھاس اور پُرانی مٹی اس پر پھیلا دی ؎

آہ - آہ - ذرا ہماری مصیبت کا بھی اندازہ کرنا چاہیئے یہ دشت ہولناک یہ صحرائے وحشت ناک اور دو ضعیف القویٰ مصیبت زدہ - غم خوردہ عورتیں اور ایک نادان بچّہ - نہ کوئی مونس نہ مددگار نہ یار - نہ غمگسار نہ فریادرس نہ نگہبان نہ اثاثہ نہ سامان نہ خدمتگار نہ سواری نہ پینے کو پانی نہ کھانے کو روٹی - نہ رہنے کا کوئی ٹھکانا نہ دردِ دل کہنے کو کوئی یار و یگانہ - دشمنوں کا ملک - اعدا کی عملداری - خوف کا غلبہ - یاس کا ہجوم - اِتنی جگہ نہ تھی کہ تھوڑی دیر حرارت آفتاب سے پناہ لیکر کلفت رسیدہ بدنوں کو ذرا آرام دیں - ہر گھڑی موت کا انتظار تھا - خلاصہ یہ کہ اِسی حالتِ اضطراب و پریشانی میں مجبوراً شوہر اور داماد کی قبر کو رخصت اور خدا پر توکل کر کے وہاں سے چل کھڑے ہوئے ؎

گیارھواں حادثہ

بس ہجوم نا اُمیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے

اپنے سرپرستوں کی موت کے بعد زندہ رہنے سے میرے نزدیک

مرجانا ہی بہتر ہے۔ مگر آہ یہ جان وُہ پیاری چیز ہے کہ چاہے انسان کی کوئی حالت کیوں نہ ہو۔ وہ اپنا مرنا گوارا نہیں کرتا۔ ہم یہ جانتے تھے کہ دشمنوں کے ہاتھوں محفوظ رہنا اور صحیح و سلامت ہندوستان سے نکل جانا ایک امرِ محال ہے مگر بمقتضائے فطرت اِسی میں کوشاں تھے کہ کسی صورت سے جان بچ جائے ۔

ہم نے فقیروں کا لباس بنا لیا تھا اور بچے بچے جاتے تھے۔ اس لئے کسی نے تعرض نہ کیا۔ جس گاؤں کے نزدیک سے گذرتے تھے انگریزوں کی لاشیں خاک پر پڑی نظر آتی تھیں۔ کچھ دُور چلے جانے کے بعد ہم شاہراہ پر پہنچے۔ جس کے دونوں طرف بانس اور دوسری قسم کے درختوں کا گھنا جنگل تھا۔ ایک موقعہ پر درختوں کا گھنا بن زیادہ دیکھ کر ہم اندر داخل ہو گئے اور ایک چشمہ کے کنارے قیام کیا۔ جو کچھ پھل پھلاوہاں دستیاب ہوئے۔ اُن کو کھایا اور اس امر کے منتظر رہے کہ شاید کوئی انگریزی فوج اس طرف سے آئے اور ہم کو اِس مہلکہ سے نجات دے کیونکہ میں حد درجہ خستہ ہو گئی تھی۔ چشمہ کے کنارے پر لیٹتے ہی سو گئی۔ اور چھ گھنٹے برابر سوتی رہی۔ جب بیدار ہوئی تو دیکھا کہ ایلن میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور وِیل صحرائی پھولوں کا ایک گلدستہ ہاتھ میں لئے کھیل رہا ہے۔ میں نے پیار سے اِسے چھاتی سے لپٹا لیا۔ اس رات بھی ہماری غذا وہی جنگل کے پھل ہوئے۔ ہم اِس فکر میں تھے۔ کہ اپنے گرد بہت سی آگ روشن کریں تاکہ صحرائی درندوں اور گزندوں سے

محفوظ رہ سکیں۔ مگر وہاں آگ کہاں تھی۔ ایلن نے اور میں نے بہت سی سوکھی لکڑیاں جمع کیں اور آگ کی تلاش میں نکلے۔ ہماری فرودگاہ سے کچھ دُور ایک چھوٹے سے میدان میں کل رات باغیوں نے اُتر کر آگ روشن کی تھی۔ ہم نے انہیں چولھوں کی راکھ میں سے آگ تلاش کرکے تھوڑی سی چنگاریاں بہم پہنچائیں اور اپنے مقام پر آگ کو روشن کیا۔ اور اسی کے قریب لیٹ رہے۔ ایلن نے مجھ سے کہا کہ میں اول شب سوئی جاتی ہوں تم نصف شب تک نگہبانی کرو۔ پھر مجھے بیدار کر دینا۔ صبح تک میں بیدار رہ کر حفاظت کروں گی اور تم سو رہنا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس رات کو وہ مصیبت پیش نہ آئی۔ جو اس رات جمنا کے کنارے ان دو ہندوستانیوں کی وجہ سے آئی تھی۔ جو ہمارے قتل کے درپے تھے۔ آج کی رات ہم نے بہت اطمینان سے بسر کی اور کوئی مصیبت نازل نہ ہوئی۔ البتہ جب یہ خیال آتا تھا کہ کل رات تک جو ہمارے پہرہ دار تھے۔ کل تک جو ہمارے نگران حال تھے۔ آہ۔ وہ آج ہم سے کوسوں دُور خاک پر پڑے سوتے ہیں تو کلیجہ ٹکڑے ہو جاتا تھا۔ آہ جن کے دم سے زیست کا مزہ تھا۔ وہ آناً فاناً نظروں سے پنہاں ہو گئے اور ہم بدنصیب اور فلک ستائی عورتیں اس بدبختی و بےکسی میں ٹھوکریں کھانے دشت و صحرا کی خاک چھاننے کو زندہ رہ گئیں۔ فلک پرایا۔ دیس غیر۔ زمانہ دشمن۔ کہاں جائیں کیا کریں۔ کس کو پکاریں۔ کس سے کہیں۔ خدا جانے ابھی کیا کیا مصیبتیں نازل ہوں گی۔ کیا کیا بلائیں سر پر آئیں گی۔

کیا اِن جھکے ماندے جسموں سے۔ اِن ورم دار پیروں سے پا پیادہ اِس طفلِ صغیر کو گود میں لئے کانپور یا الہ آباد تک پہنچ جائیں گے؟

اِن تصوّرات وخیالات وحشت انگیز نے مجھے ایک منٹ کو چین نہ لینے دیا۔ نصف شب تک کہ میری پاسبانی کا وقت تھا۔ اِسی فکر میں گھلتی رہی اور یہی سوچتی رہی کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کونسی راہ ایسی اختیار کی جائے کہ مقصد تک پہنچ جائیں۔ کبھی یہ خیال آتا تھا کہ اگر انگریزی فوج ادھر سے جاتی مِل گئی۔ تو ضرور اس مہلکہ سے نجات مِل جائے۔ لیکن ہمیں تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ شہر الہ آباد انگریزوں کے قبضہ میں ہے یا اس پر بھی باغی قابض ومتصرف ہوگئے۔

بہت سی فکر کے بعد یہ قرار دیا کہ صبح ہوتے ہی مشرق کی طرف چلیں اور مملکت اودھ میں داخل ہوں۔ اگر میں بدبخت اپنی تدبیر پر مغرور نہ ہوتی اور اپنے کام کو تقدیر کردگار کے حوالے کر دیتی اور وہی راستہ الہ آباد کا اختیار کرتی۔ جو ہمارے لئے راہِ مستقیم تھی تو یقیناً صورتِ نجات نکل آتی۔ اور میری پیاری لڑکی اور معصوم بچہ ہلاک نہ ہوتا۔ انسان کو چاہیئے کہ شدید امور میں اپنے کو تقدیر الٰہی کے حوالے کر دے اور نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی نجات وبہبودی کا خداوند عالم سے طالب ہو نہ یہ کہ اپنی تدبیر پر مغرور ہو جائے۔ مجھ بدبخت نے اپنی تدبیر میں کوشاں اور تقدیر سے غافل ہو کر وہ کثیر نقصانات اُٹھائے کہ کسی نے نہ اُٹھائے ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ جب آدھی رات ہو گئی۔ میں نے ایلین کو بیدار کیا۔ اور خود اس کی جگہ پر لیٹ رہی۔ صبح کو جب اُٹھی تو اس نے بیان کیا کہ رات کئی شیر ہمارے مسکن کی طرف آئے۔ اُن کی آنکھوں کی چمک سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے ہیں لیکن بہ سبب آگ روشن ہونے کے کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب آفتاب طلوع ہونے لگا تو وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور بجائے اس سڑک کو اختیار کرنے کے جو الہ آباد جا رہی تھی۔ مشرق کی سمت روانہ ہو گئے۔ چونکہ ویل میں اتنی طاقت نہ تھی کہ برابر ہمارے ساتھ ساتھ چلے۔ اس لئے اس کو گود میں لے کر چلنے سے مجھے اور ایلین کو راہ میں سخت تکلیف ہوئی۔ آفتاب جوں جوں بلند ہوتا جاتا تھا۔ دھوپ کی تیزی بڑھتی جاتی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ میں نے اس تکلیف سے بچنے کے لئے دل میں برقرار دیا کہ کل سے رات کو تو سفر کریں گے اور دن میں کسی محفوظ مقام پر چشمہ کے قریب ٹھہر کر آرام کریں گی ؎

اس روز دو فرسخ راہ طے کرنے کے بعد ایک مسافروں اور فقیروں کے تکیئے کی دیوار کا کنگرہ دکھائی دیا۔ چونکہ زمین میں نشیب و فراز بہت تھے۔ اس لئے بڑی زحمت اور بہت دیر کے بعد ہم اس کے قریب پہنچے دُور سے دیکھا کہ کچھ لوگ اس تکیہ کے اطراف میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے ہیں اور ہماری طرف ان کی نگاہ ہے۔ ہم نے اس خیال سے کہ انہیں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو۔ دلیرانہ قدم اُٹھایا اور وہاں جا پہنچے۔ وہاں آ کر

ایک بڑی جماعت لوگوں کی مختلف حیثیت سے نظر پڑی - کچھ لوگ تو ایک بورئیے پر پڑے سو رہے تھے - کچھ دیوار کے پاس حلقہ باندھے کھڑے تھے اور حقہ پیتے ہوئے غدر کے واقعات بیان کر رہے تھے - گاڑیوں میں جتنے والے بہت سے بیل کھڑے گھاس کھا رہے تھے - رنگ برنگ کے گھوڑے تھان پر بندھے زمین کو سموں سے اکھاڑ رہے تھے - بہت سے ہاتھی دیوار کے قریب کھڑے جھوم رہے تھے - بہت سے اُونٹ زمین پر سینہ رکھے گردن اُٹھائے جوالی رہے ہیں - اِدھر اُدھر بہت سے سوار اور پیادے پڑے جمائے بیٹھے تھے - جن کے اطراف میں بہت سے کجاوے اور پالکیاں رکھی ہوئی تھیں - ان حالات سے پتہ چلتا تھا کہ بڑا متمول اور ذی حیثیت شخص مع اپنے اہل و عیال اور خدم و حشم کے سفر کر رہا ہے - اور اِس مقام پر آرام کرنے کے لئے اُتر پڑا ہے ۞

ہم یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائے - نہ تو اب لوٹ کر جا سکتے تھے - نہ وہاں کوئی پنہاں ہونے کی جگہ تھی - اِسی خانقاہ کے سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس پر کچھ مسافر بیٹھے ہوئے تھے - ہمیں دیکھ کر اُنہوں نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور اس خیال سے اپنے پاس بلایا کہ ہم ہندوستانی اور مغرب کی جانب سے آ رہے ہیں - شاید ہم سے غدر کی نسبت کوئی تازہ خبر معلوم ہو - غرضیکہ ہم ان کی طرف بڑھے - دس قدم باقی ہوں گے کہ ایک صوبہ دار نے آگے بڑھ کر بنگالی زبان میں ہم سے پوچھا :-

صوبہ دار۔ تم کہاں سے آتی ہو اور کہاں جاؤ گی؟

میں۔ ہم آگرے سے کشتی میں بیٹھ کر دریائے جمنا میں سفر کر رہے تھے دو مرد بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اتفاقاً کشتی ٹوٹ گئی اور وہ دونوں غرق ہو گئے۔ ہم تینوں بدقت تمام کنارے تک پہنچے اور رہائی پائی۔

اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا اور نگاہیں نیچے کئے برابر ہمارے پیروں کی طرف دیکھتا رہا۔ کیونکہ انگریزی جوتا پہنے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے اس کی بدگمانی بڑھی اور ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں ہم سے گفتگو کرنے لگا۔ جس کو میں مطلق نہ سمجھی۔ یہ صوبہ دار اس خیال سے کہ اس زمانۂ پرآشوب و غدر میں کسی مقام کا حاکم خود مختار بن جائے۔ بہت سے سواروں کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہا تھا۔ اس شخص کی عمر تیس سال کی ہو گی۔ لیکن صورت ایسی ہیبت ناک پُر از مکر و حیلہ تھی کہ میں نے ہندوستان کے کسی قوم و ملت میں یہ بات نہیں پائی وہ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہنستا تھا۔ لیکن اس کا ہنسنا ایسا ہی تھا۔ جیسے بلی چوہے کو پکڑ کر کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلتی ہے۔ پھر چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گی۔ اس کی پُرخوف صورت کبھی نہ بھولوں گی۔ بایاں ہاتھ تو کمر پر رکھے ہوئے تھا اور داہنے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا۔ جسے بار بار ہلاتا تھا۔ دزدیدہ نظری سے ایلین کی طرف دیکھ کر مسکراتا تھا۔ اس کی اس بے شرمی اور بے حیائی سے ایلین کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ یہ بوالہوس بدطینت جھک جھک

کر میرے کان میں کچھ ایسی ناسزا باتیں کہتا تھا کہ جن کے کرنے سے مجھے شرم آتی ہے اور اس کے بیان سے میری عفت وحیا مانع ہوتی ہے۔ ایلن اس گستاخ پر مثل مار سیاہ پیچ وتاب کھاتی تھی اور غیرت کی وجہ سے پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ اس کا یہ غصہ بالکل بجا تھا۔ ہم لوگ ایسی گستاخی کے کہاں عادی تھے۔

وہ ہندوستانی جو ہمیشہ ہمارے سامنے آتے کانپتے تھے۔ سر ڈال کر چلتے تھے اور ادب سے بیٹھتے تھے۔ آج یہ ایسے خودسر بنے ہوئے ہیں۔ ایلن کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ میرا بچہ دیل بھی ان کی شرارت اور گستاخی سے خشمگین ہوا اور غضب آلود نگاہ سے اسے دیکھا۔ اور اس کے ہاتھ کو جھٹک کر انگریزی زبان میں کہا "دور ہو" جوں ہی یہ کلمہ اُس کی زبان سے نکلا۔ وہ تمام ہندوستانی جو آس پاس بیٹھے تھے۔ اپنی اپنی جگہ سے ایک ہی دفعہ اُٹھ بیٹھے اور ہمارے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہوگئے شاید دشمن کی فوج میں ایک گولہ پھٹنے سے بھی یہ وحشت پیدا نہ ہوتی ہوگی جو انگریزی کے ایک جملہ سے ہوئی۔ یہ معلوم ہوا کہ تمام انگریزی فوجوں نے ان بدبختوں پر حملہ کر دیا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے طمنچہ اپنی اپنی کمروں سے کھینچ لئے اور بعضوں نے نیام سے چاقو نکال لیا اور ہماری طرف دوڑ پڑے۔ وہ بے حیا صوبہ دار بھی تلوار برہنہ کرکے ہمارے مقابل کھڑا ہوگیا۔ اول تو میں یہ سمجھی تھی کہ اس کا مقصد ہماری نگہبانی کرنا ہے اور شر اعدا سے بچانا ہے۔ لیکن یہ خیال غلط تھا۔ جب اُس نے

دیکھا کہ ہمارا انگریز ہونا ظاہر ہو گیا اور سب اس کے رفقا ظاہر ہو گئے اور ضرور ہے کہ اب اس لقمہ کو دوسروں کے ساتھ کھائے تو خشمناک ہو کر ہم بے کسوں کی ایذا رسانی پر دوسروں کا شریک بن گیا۔ ایک مرتبہ ہی ان دیو سیرت انسانوں نے ہم پر اس طرح حملہ کیا جس طرح باز کبک کوہساری پر جھپٹتا ہے ان کے اس حملے سے میں ایلن سے جدا ہو گئی۔ ہر چند اس مجمع میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ لیکن کہیں اس کی صورت دکھائی نہ دی۔ ایک گھنٹے کے بعد دُور سے دیکھا کہ ان وحشیوں کے ہاتھ سے رہا ہو کر جنگل کی طرف بھاگی ہوئی جا رہی ہے۔ اور دو بدسرشت برابر اُس کے پیچھے دوڑتے جاتے ہیں کہ اس کو پکڑ کر کام تمام کر دیں۔ اتفاقاً ایک مقام پر چند ہندوستانی عورتیں ایک خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھیں ایلن بیچاری اسی خیمہ میں جا چھپی۔ حسن اتفاق سے جو عورتیں اس خیمہ میں تھیں اُن کا شمار ہندوستان کے شرفا میں تھا۔ اُن کے درمیان میں ایک عورت زیادہ سن رسیدہ اور ذی اثر تھی۔ ایلن نے عاجزی سے اپنے آپ کو اس کے سامنے ڈال دیا۔ بمقتضائے انسانیت اُس نے ایلن کے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ یعنی اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر وہ دو ہندوستانی سوار جو اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ واپس چلے گئے۔ میں بھی جلدی سے ویل کو گود میں اُٹھا اسی خیمہ کے اندر ہو رہی تمام ہندوستانی خیمہ کے گرد جمع ہو گئے اور شور مچانے لگے۔ کہ بیگم صاحبہ ان بدمعاشوں کو آپ نے کیوں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ان کو باہر نکال

دیجئے۔ تاکہ ہم ان کو موت کا مزہ چکھائیں۔ یہ انگریز ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کی جائے ؛

وُہ راجہ جو اس مقام پر ٹھہرا ہوا تھا۔ ہندوستان کے متمولین اور معتبرین اشخاص میں سے تھا۔ اس کو سرکار انگلشیہ سے ایک کثیر رقم بطور وظیفہ ملتی تھی۔ یہ الہ آباد کا رہنے والا تھا۔ تمام راجگان ہند کی تقلید میں اِس نے بھی علم بغاوت بلند کیا اور اب سے سواروں کی جمعیت کے ساتھ انگریزوں سے لڑنے آگرہ جا رہا تھا۔ یہ بیگم جس کا اُوپر ذکر ہوُا۔ اِس راجہ کی ماں تھی۔ افسوس اِس بدبخت عورت نے ہماری بے کسی پر ذرا رحم نہ کیا اور اِن ستم ایجادوں کے کہنے سے ہماری اُمید کے رشتہ کو منقطع کر ڈالا۔ اصلی واقعہ یہ تھا کہ جب میری لڑکی خیمہ میں داخل ہوئی تو وُہ بیگم درود وظائف پڑھنے میں مصروف تھی اِس لئے اس نے یہ پسند نہ کیا کہ ذکرِ الٰہی چھوڑ کر کوئی اور بات کرے لیکن اپنی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے یہ جانا کہ ہم انگریز ہیں تو نہایت تنفر و حقارت کے ساتھ بجبر ہم کو اپنے خیمہ سے نکالدیا۔ ہمارا خیمہ سے باہر آنا تھا کہ وہ فتنہ و آشوب جو تھوڑی دیر کے لئے فرو ہو گیا تھا۔ پھر ایک مرتبہ برپا ہو گیا اور راجہ کے نوکر چاکر اور سپاہیوں نے جو نہایت شریر اور خونخوار تھے۔ ہم کو گھیر لیا۔ کبھی ہم کو ایک دوسرے سے جُدا کر دیتے تھے۔ کبھی کھینچ کھینچ کر کر ایک دوسرے کے پاس لاتے تھے۔ کبھی کسی طرف دوڑاتے تھے۔

کبھی کسی گوشہ میں بٹھاتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی قیدی کسی ظالم کے پنجہ میں ایسا ذلیل وخوار نہ ہوا ہوگا جیسے ہم۔ اگر ہمارے ایک مرتبہ ہی گولی مار دیتے یا دار پر کھینچ دیتے یا وحشیوں اور درندوں کا کھاجا بنا دیتے یا ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیتے تو وہ ہمارے نزدیک اِن صدمات سے سہل تر ہوتا۔ اِس کش مکش میں جو کچھ لباس ہم پہنے ہوئے تھے پارہ پارہ ہوگیا۔ حسن اتفاق سے اِس درمیان میں وہ اشرفیوں کی تھیلی جس کو میں نے شوہر کے کمر سے کھول کر اپنی کمر سے باندھا تھا۔ کھُل پڑی اور سب اشرفیاں بکھر گئیں۔ وہ لوگ فوراً ہم کو چھوڑ کر ان کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے اور میں موقعہ پا کر اپنے لڑکے اور لڑکی کی طرف دوڑی اور تینوں نے ایک دوسرے کو اِس قدر مضبوط پکڑ لیا۔ کہ باغیوں نے اشرفیاں لوٹنے کے بعد لاکھ لاکھ کوشش کی کہ ہم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔ نیزوں کی نوکیں بھی چبھوئیں۔ خنجر بھی دکھائے لیکن ہم کہاں علیحدہ ہونے والے تھے؟ انہوں نے غصہ ہو کر ہم کو اسی صورت سے کھینچنا شروع کر دیا اور آگ کے ایک ڈھیر پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ آگ دیکھتے ہی ہمارے اجسام میں لرزہ پڑ گیا اور اُمید حیات جاتی رہی۔ اِس عالم مایوسی میں میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ لیکن کسی کو حامی ومددگار نہ پایا۔ اتفاق سے میری نگاہ اس صوبہ دار پر پڑ گئی۔ اسوقت افسوس مجھے اِس بات کا تھا کہ اگر ابتدا میں اس کی کڑوی باتیں جھیل جاتی اور اظہار ملال نہ کرتی

تو یہ مصیبت نازل نہ ہوتی - ہر چند میں نے اِسے ہاتھ سے اشارہ کیا
اور معذرت چاہی - اپنے حال پر رحم دلایا - مگر کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ
وہ راجہ سامنے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا ہمارے قتل ہونے کا تماشہ دیکھ
رہا تھا اور یہ صوبہ دار نہایت ادب سے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سامنے
کھڑا ہو گیا تھا - شاید اِس خیال سے کہ ہمارا انگریز ہونا سب پر ظاہر
ہو چکا تھا - اُس نے کسی قسم کی سفارش مناسب نہ سمجھی یا اس کینہ
سے کہ ہم نے اس کی بیجا خواہشوں کو پورا نہ کیا تھا - غرضیکہ ہماری
اُمید ہر طرف سے منقطع اور موت متیقن ہو گئی - ایلین اپنا سر میرے
سینہ سے لگائے ہوئے تھی - اور ویل بھوک پیاس کی شدّت سے
میری گود میں ناتواں پڑا ہوا تھا کہ ناگاہ میں نے دیکھا - کسی شخص نے
میرے لڑکے کو میرے ہاتھ سے بجبر کھینچا - میں نے اس اُمید پر کہ شاید
کوئی ہمارا نجات دہندہ ہے اس کو چھوڑ دیا - لیکن گاڑھا گاڑھا
دھواں اس قدر آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا کہ میں یہ نہ دیکھ
سکی کہ کون لے گیا - پھر ایک ہاتھ میرے شانے پر پہنچا اور کسی نے
مجھے اور ایلین کو اِس آگ کے انبار سے جُدا کر لیا - وہاں سے ہمارا
ہٹنا ایسا تھا جیسا مردہ کا قبر سے زندہ ہو کر نکلنا - یا کسی کا نیست
سے ہست ہونا - اِس دستِ غیبی نے ہم کو آگ سے ہٹا کر ایک بلندی
پر بٹھا دیا اور وہ شخص خود مثل نجات دہندہ کے مجسّم دیوتا بن کر
ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا اور ان مشریوں سے ہندوستانی زبان

زبان میں کچھ بات چیت کرنے لگا - میں نے ان لوگوں کو اس قدر اس کا مطیع پایا - کہ جس طرح ایک بادشاہ کی رعایا - ایک آقا کے فرمانبردار ملازم ہوتے ہیں - جو بات اس کے مُنہ سے نکلتی تھی - وہ جماعت اِس پر اظہار اطاعت کر کے زمین خدمت کو بوسہ دیتی تھی - میں نے جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہؤا کہ یہ وہی سادھو یا درویش ہے - جس کو جمنا کے کنارے شہر دہلی کے قریب میرے لڑکے نے ایک روپیہ بطور صدقہ دیا تھا - اب اس نے اس قلیل صدقے کے بدلے میں اِس قدر بڑا احسان ہمارے ساتھ کیا ؛

اِس فقیر کو دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہؤا - دل میں کہتی تھی یہ وہی گدائے بے سروپا اور درویش بے برگ و نوا ہے جو سر سے پاؤں تک مٹی میں بھرا جمنا کے کنارے پڑا تھا ؟ یہ وہی سادھو ہے کہ جس کے بال اِس قدر پریشان تھے کہ عمر بھر ان میں کنگھی ہونے کا احتمال بھی نہ ہو سکتا تھا - جس کی داڑھی میں جب سے جوان ہؤا اصلاح کی نوبت ہی نہیں آئی - ایسا معمولی آدمی اور اس قدر صاحب اعزاز کہ جوں ہی اُس نے اپنے ہاتھوں سے اِن خونخواروں کو اشارہ کیا - فوراً سب ہم سے علیحدہ ہو گئے اور بہت دور حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے " اے سیّد و آقا ہمارے - برائے خدا اِن فرنگیوں کی رعایت نہ کیجئے - سالہا سال سے ہم ان کے ہاتھوں سختی اُٹھا رہے ہیں - سو برس سے زیادہ ہوئے کہ ہم ان کے دست قہر میں اسیر و ذلیل ہیں نہ

یہ ہمارے دین کی رعایت کرتے ہیں نہ مذہب کی نہ ہمارے فوائد کے خواہاں ہیں نہ اپنے وعدے کو وفا کرتے ہیں مختلف طریقوں سے ہماری بضاعت لوٹے لیتے ہیں۔ ہمارے معابد کی حرمت۔ ہمارے علما کی عزّت ذرا اِن کی نگاہ میں نہیں۔ اپنے پادریوں سے تحریک کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے آباواجداد کے دین سے برگشتہ کرکے دین نصاریٰ میں داخل کریں۔ اُنھوں نے ہمارے عزیزوں کو ذلیل کیا ہے اور شاہی خاندان کے درمیان مخالفت پیدا کرکے سب کو منتشر اور پراگندہ کردیا ہے اور ان کی سلطنت ضبط کرلی ہے۔ ہمارے دین کی عزّت اور وطن کی آبرو کو بہ سبب آزادی کے مسکرات کی بیع میں برباد کردیا ہے۔ طرح طرح کے باجے ایجاد کرکے ہماری دولت کو لوٹ لیا ہے۔ ہم کو یہ لوگ وحشی اور غیر مہذّب کہتے ہیں اور اپنے آپ کو باوجود انتہائی بے مروّتی کے انسان کامل سمجھتے ہیں۔ آپ اِن کے حامی نہ ہوجیے اور ہمیں دے دیجیے تاکہ ہم راجہ اور اُنکی والدہ ماجدہ اور بیگمات کے سامنے تینوں کو آگ میں جلادیں اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑیں ؞

درویش نے یہ تقریر سُن کر کوئی صاف جواب ان کو نہ دیا صرف اِسی قدر اشارہ ان پر ظاہر کیا کہ "یہ لوگ میری حمایت اور حفاظت میں ہیں اور ایک خاص وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ ان کو کوئی صدمہ پہنچے ؞

میں نے پہلے یہ ضرور سُنا تھا کہ ہندوستان میں درویشوں کی بڑی قدر ہے لیکن یہ نہ سمجھتی تھی کہ لوگ ان کی اس قدر اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ درویش کا اشارہ پاتے ہی وہ خونخوار اشرار ایک ایک دو دو کر کے ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ اور ہم کو اسی ٹیلہ پر جہاں ہم تھے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ جو آگ ہمارے جلانے کو مہیا کی گئی تھی۔ وہ سرد ہونی شروع ہو گئی۔ درویش ہمارے قریب ہی زمین پر مانند سگ پاسبان کے پڑا ہوا تھا۔ ایلین اپنی عریانی کے سبب سے شرم سے پانی پانی ہوئی جاتی تھی اور آنکھ اُٹھا کر کسی طرف نہ دیکھتی تھی۔ میں اُس کی اس حالت سے سخت افسردہ ہوئی جاتی تھی۔ ڈیل بھوک سے تڑپ رہا تھا۔ بار بار مجھ سے روٹی کا سوال کرتا تھا۔ میں نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے اِس نجات کا اول تو شکریہ ادا کیا اور پھر کشائش کار کی دعا مانگی ؎

خدا کی شان دیکھو۔ ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ فقیر ہوں گے اور میں نے اِن میں سے کیا پانچ ہزار کو بھی صدقہ نہ دیا ہو گا؟ مگر یہ عجب بات تھی کہ شورش سے چند روز قبل میں نے اپنے لڑکے کے ہاتھ سے اس فقیر کو صدقہ دلایا۔ اس نے اِس حقیر صدقے کے بدلے میں ہم تین آدمیوں کی جان مول لے لی۔ بے شک یہ کام بجز تقدیر آسمانی اور فضلِ یزدانی نہیں تھا ورنہ ہم کو اِن واقعات کی کیا اطلاع تھی۔ سچ کسی نے کہا ہے کہ ہاتھ کا دیا کسی نہ کسی وقت

کام آہی جاتا ہے ٭

خلاصہ یہ کہ اس درویش سے ہماری پہلی ملاقات تو وہی تھی جو شورش سے چند روز قبل ہوئی تھی - جس کا ذکر میں اُوپر کر چکی ہوں - اس مرتبہ اس کی زبان سے کچھ کلمات نکلے تھے - اول جبکہ وہ راہ روکے پڑا تھا اور میرے داماد نے اپنے سپاہیوں کو اس کے ستانے کا حکم دیا تھا تو وہ یہ فقرہ زبان پر لایا تھا "ٹھہر جاؤ - بہت جلد راستے کھلے جاتے ہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا - شورش ہوتے ہی تمام راہیں ہندوستانیوں کے آنے جانے کے لئے کھل گئیں اور انگریزی عمل دخل اُٹھ گیا دوسری بار اُس نے میرے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا "بہت جلد خدا کے عبادت گذار بندے غالب آئیں گے" پس اس خیال کے موافق ہوا - کیونکہ یہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا بھی عقیدہ ہے کہ ان کا دین باطل اور ہمارا دین حق ہے ٭

تیسرے اُس وقت کہا تھا جبکہ میرے دِل نے اُسے صدقہ دیا تھا - "اے لڑکے یہ جو صدقہ تو نے مجھے دیا تھا - تیرا فدیہ نہ ہوگا" دونو پہلے کلام تو بے کم وکاست وقوع میں آئے - پس کیا تیسری بات بھی اِسی طرح پوری ہو جائے گی؟ اور میرا طفل عزیز اپنے باپ اور بہنوی کی طرح ہلاک ہو جائیگا اور میں اُنس فراق اور سوزش ہجر میں شب و روز تڑپا کروں گی - اُف اپنے پیٹ کی محبت بھی کیا ہوتی ہے یہ خیال آتے ہی سارے بدن میں لرزہ پڑ گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو

بہنے لگے - ابھی میں اپنے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ناگاہ پھر ایک شور سنائی دیا - معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو یہاں قیام پذیر تھے - اب یہاں سے کوچ کر رہے ہیں کیونکہ مدت قیام و آسائش ختم ہو گئی تھی - سب نے اپنا اپنا سامان درست کیا - بگل بجا اور فوج باغیوں کی چل پڑی - پھر راجہ تخت رواں پر بیٹھ کر چلا - اس کے تخت کے پیچھے پیچھے اس کی ماں اور بیگمات کے تخت تھے - ان کے پیچھے بہت سے ہاتھی - اونٹ اسباب سے لدے ہوئے تھے - ان سب کی راہ اس ٹیلے کے نیچے سے تھی - جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے - جوں ہی سوار نزدیک آئے - درویش جو کہ اس وقت سو رہا تھا - اُٹھ بیٹھا اور ہندوستان کی زبان میں کچھ کلمات منہ سے نکالے فوراً ان میں سے ایک سوار نے پیادہ ہو کر درویش کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چند پیسے اس کے سامنے ڈال دیئے - اسی طرح سواروں سے لیکر راجہ تک جو کوئی اُوپر سے گذرتا تھا - کچھ نقد - روٹی یا کپڑا نہایت ادب و احترام سے اس کے سامنے رکھ جاتا تھا - جب وہ سب لوگ نکل گئے تو درویش نے مجھ کو آواز دی اور جو کچھ اس کے سامنے رکھا ہوا تھا سب مجھے دیدیا - اس میں ہمارے لئے کئی دن کی خوراک تھی اور اتنا لباس بھی تھا کہ اپنے اجسام کو اچھی طرح چھپا سکیں ؂

یہ کاروان سرا جنہیں ہم اس وقت سے اب تک اس مہلکہ میں گرفتار رہے - جیسا کہ سابقاً اشارہ ہوا - ان سراؤں میں سے تھی - جو متمول لوگ پُرانے زمانے میں محض بغرض ثواب بنوایا کرتے تھے - وضع

کے لحاظ سے یہ صورت ہوتی تھی کہ چاروں طرف کچی دیوار کا احاطہ۔ اس کے اندر چند رہنے کے لئے مکانات اور ایک باہر جانے کا دروازہ ہوتا ہے ۔ اسی میں جانوروں کے لئے بھی کچھ مکانات بنا دئے جاتے ہیں یہ مکان حد درجہ پست اور تاریک ہوتے ہیں۔ نہ اِن میں کوئی فرش ہوتا ہے نہ اسباب نہ انگریزی ہوٹلوں کی طرح کوئی محافظ ونگہبانؑ نہ اسباب عیش وآرام ۔ جب تک کوئی قافلہ وہاں مقیم رہتا ہے ۔ آبادی معلوم ہوتی ہے اور جب وہاں سے کوچ کر جاتا ہے تو ویران اور سنسان ہو جاتا ہے ٭

خلاصہ یہ کہ اس احسان ونیکی کی وجہ سے جو فقیر نے ہمارے ساتھ کی ۔ ہم نے اس کے کثیف لباس اور بدبودار جسم سے ذرا کراہت نہ کی بلکہ اس کے جسم کی بدبو ہم کو مشک سے زیادہ خوشبودار معلوم ہوتی تھی ۔ اور اس کی کریہ المنظر اور بد قوارگی ہمارے لئے محاسن ومحامد کا مجمع تھی ۔ وہ بہ کمال شفقت ومہربانی ہم کو کارواں سرائے کے اندر لے گیا اور اس کے گوشے میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر جہاں ایک حوض بھی تھا ۔ ہمارا محل اقامت قرار پایا ٭

یہ خلوت گاہ اس طریقے سے واقع ہوئی تھی کہ باہر آنے والا چند ایوان اور دالان سے گذر کر یہاں تک پہنچتا تھا ۔ اگر اس کا مستحکم دروازہ بند کر دیا جاتا ۔ تو پھر کسی کا داخل ہونا غیر ممکن تھا ۔ بلکہ کسی کا وہاں رہنے کا تصور واحتمال بھی نہ ہو سکتا تھا ۔ کچھ معمولی سی ہدائتیں کرنے

کے بعد درویش باہر چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں گھاس کا ایک بڑا گٹھڑ باندھے ہوئے واپس آیا اور ہم سے کہا "لو اسے بجائے فرش کے بچھالو اور کہیں اس مکان سے باہر نہ جانا - کم از کم پندرہ روز کا کھانا تمہارے لئے موجود ہے کیا بعید ہے کہ اس مدت میں خداوند عالم تمہارے لئے کشایش پیدا کرے اور دشمن دوست ہو جاویں یا دوستوں کا گروہ اِدھر سے گذر کرے اور تم کو قیدِ غم سے رہائی دے"

اتنا کہہ کر وہ باہر چلا گیا اور دم کی دم میں ہماری نظروں سے غائب ہو گیا - ہم پہلی بار اس گوشہ امن و امان میں نہایت اطمینان سے سوئے۔ جسم کی خستگی و کسالت دفع ہو گئی - لیکن جس وقت اپنے شوہر و داماد کا خیال آجاتا تھا - ایک سرد آہ دلِ پُردرد سے نکل جاتی تھی اور بے ساختہ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے - دوسرے روز جب بسترِ خواب سے اُٹھے - میں اپنے اس تنگ محبس میں ٹہلنے لگی - ناگاہ میری نظر ایک لکڑی کے دروازہ پر پڑی - جو بکمال استحکام اس کوٹھڑی کے ایک گوشہ میں لگا ہوا تھا - میں نے دل میں کہا کہ یہ دروازہ کس طرف کھلتا ہے اور کیوں بند ہے - چونکہ انسان بالطبع ان چیزوں کی طرف حریص ہوتا ہے - جس سے اسے روکا جائے - لہذا میں نے کشفِ حال کے لئے اس دروازہ کو کھولنا چاہا - اول یہ خیال کر کے کہ آسانی سے کھل جائیگا - اس کے قفل کو توڑ دیا اور زور دے کر کھولنے لگی - لیکن وُہ باوجود میری تمام طاقت و کوشش کے نہ کھلا - تب تو میں نے ایلن کو

بُلا کر کہا کہ آ تو ہم دونوں مل کر اس دروازے کو کسی تدبیر سے کھولیں شاید اسی کے ذریعہ سے کوئی راستہ فرار کا سمجھ میں آجائے۔ ہم دونوں نے مل کر ہر چند زور کیا۔ مگر وہ کہاں کھلنے والا تھا۔ بارہ روز متواتر ہم اسی کوشش میں سرگرم رہے۔ تیرھویں روز صبح کو بمشکل تمام ہم نے اس کے بازوؤں کو اُکھاڑ ہی ڈالا۔ مگر افسوس ہماری اُمید کے بالکل خلاف ظاہر ہوا۔ یہ صرف ایک کاروان سرائے کا مخصوص دروازہ تھا۔ جس کو سرائے دار نے اپنے رہنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ قافلہ کے جانے کے بعد وُہ بھی اس کو بند کر کے کہیں چلا گیا۔ فضول اس کام میں ہم نے اتنا وقت صرف کیا۔ اسی حجرہ میں ایک روشن دان تھا مگر نہایت چھوٹا۔ ہم نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو نہایت سرسبز و شاداب ایک جنگل نظر آیا۔ جس میں ایک نہایت طولانی درّہ بھی تھا۔ جس سے اس سرائے کے وارد ہونے والے مسافر آتے جاتے تھے :۔

فصل گرما میں جبکہ بارش کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں مسافر لوگ جب کسی کاروان سرائے میں پہنچتے ہیں تو دن کو سرائے کی دیواروں کے سائے میں اور رات کو آسمان کے نیچے بے کسی پناہ کے آرام کرتے ہیں۔ پس ہم ایک ایسے مقام پر تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا کوئی خطرہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ برابر لوگ وہاں آتے جاتے تھے۔ مگر کسی کو ہمارا پتہ نہ چلتا تھا :۔

ایلین - اماں جان - آؤ - اس دیوار میں ایک دروازہ پھوڑ لیں

کبھی کبھی اس کے ذریعہ سے ساتھ والے جنگل میں چلے جایا کریں گے اور وہاں سے پھل پھلا اور ترکاریاں کھانے کے واسطے لے آیا کرینگے؛ **ہیں**۔ یہ رائے ہے تو بہت مناسب۔ مگر اتنا ڈر ہے۔ کہ ہندوستانی سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں۔ بس اگر کوئی اِس جنگل سے بذریعہ ڈر کے ہمارے کمرے میں آگھسا اور کسی کو کاٹ لیا تو کیا ہوگا ” بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان“ نابی بی بس اِسی روشنی پر قناعت کرو ؛

خلاصہ یہ کہ کئی روز تک برابر ہمارا صرف یہی کام رہا کہ اِس چھوٹے سے روشن دان کے ذریعے سے راستے کو دیکھا کرتے تھے۔ انگریزی فوج کے اِس طرف سے گذرنے کا ہمیں بے انتہا انتظار تھا۔ ایک دو ہفتے ہم نے اِسی صورت سے بسر کئے۔ سترھویں روز طلوع آفتاب کے وقت میں دید بازی میں مشغول تھی۔ ایلین بھی میرے پاس کھڑی تھی۔ جو کوئی سامنے والی سڑک سے آتا تھا ہم سمجھتے تھے کہ انگریزی فوج آرہی ہے۔ چار گھنٹے پورے اِسی بیہودہ انتظار میں کھڑے گذر گئے۔ مفت اپنے چشم و جسم کو تعاقب میں ڈالا۔ مجھے تو خاک بھی نظر نہ آتا تھا۔ البتہ ایلین نے اس درّہ کی طرف کسی قدر غیر معمولی سیاہی محسوس کر کے مجھ سے کہا:-

ایلین۔ امّاں جان دیکھا۔ اِس درّہ کی طرف بہت دُور وہ میری انگلی کے سامنے کچھ سیاہی سی معلوم ہوتی ہے۔ کیا بعید ہے کہ کوئی قافلہ ہو؟

میں (بہت غور کر کے) بیٹا میری بڑھاپے کی نظر ایسی کہاں - جو اتنی دُور کی چیز نظر آ جائے۔ تم ہی غور کر کے دیکھو ؛

ایلین برابر ٹکٹکی باندھے اس طرف کو دیکھی جاتی تھی - کچھ دیر میں وہ سیاہی اور قریب محسوس ہونے لگی اور ایک پندرہ ہی منٹ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا قافلہ ہماری طرف آ رہا ہے لیکن ہم نہیں جانتے تھے کہ اس کا ورود ہمارے لئے باعث مسرّت و شادمانی ہوگا یا موجبِ زحمت و کلفت روحانی - یعنی یہ انگریزوں کی فوج ہے جو ہم کو پناہ میں لے کر اس مصیبت سے نجات دیگی یا باغیوں کی جماعت ہے جو یہاں پہنچتے ہی ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گی اور یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ شاید اِن دونو میں ایک بھی نہ ہوں بلکہ کچھ تجار ہوں کہ اپنا سامانِ تجارت اونٹوں اور ہاتھیوں پر بار کئے لئے جاتے ہوں اور کیا بعید ہے تاجر بھی نہ ہوں اور ہم جیسے بدبختوں اور ستم کشیدہ لوگوں کا گروہ ہو - جو شمال و مشرق کے باغیوں سے تباہ حال ہو کر اس سمت آ رہا ہو - ہم کو سیاہی کے معلوم ہونے نے زیادہ شبہ میں ڈالدیا تھا - میں ایلین سے کہتی تھی کہ اگر یہ لوگ ہندوستانی ہوتے تو اِن کے سفید کپڑے دُور سے سیاہ نہ دکھائی دیتے اور اگر یہ انگریزی فوج ہوتی یا باغیوں کا رسالہ ہوتا تو ان کی وردی سُرخ ہونی چاہیئے تھی سیاہ کیسی - غرضیکہ وہ لوگ جسقدر نزدیک ہوتے جاتے تھے - ہمارا تحیّر بڑھتا جاتا تھا - ہر چند نگاہ جما جما کر دیکھتے تھے - بہت کچھ عقل سے کام لیتے تھے مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آتے

ہیں یہانتک کہ وہ اِس قدر نزدیک ہو گئے کہ ایلین نے اُن کو پہچان لیا اور افسوس کے لہجہ میں کہا :-

ایلین - اماں جان - یہ تو میرے خیال میں کوئی پچاس ساٹھ عورتیں ہی عورتیں ہیں - جن کے لباس سر سے پاؤں تک سیاہ ہیں - قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل ہمارے یہ بھی سوگوار غم اور مورد رنج والم ہیں ؛

میں - کیا کوئی مرد ہے ہی نہیں ؟

ایلین (غور سے دیکھ کر) نہیں اماں جان - کوئی بیس سوار اور پیادے بھی ان کے آگے پیچھے معلوم ہوتے ہیں ؛

یہ جماعت ہمارے مقام سے ایک تیر کے فاصلہ پر آگئی - تو اُن کی آمد سے ہمارے دل میں بہت خوشی پیدا ہوئی - میں نے بے اختیار مسرت کے نعرے بلند کئے - نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ وُہ دہلی کی تمام تارک الدنیا عورتیں تھیں - میں فوراً اُن کے استقبال کو بڑھی اور بڑے تپاک سے معانقہ کیا - لیکن افسوس یہ خوشحالی بھی ہماری زیادہ دیر تک نہ رہی - کیونکہ دوبارہ جب ہم نے ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ ہم سے زیادہ تباہ حال و پریشان خاطر ہیں - میں سمجھی تھی کہ یہ میرے لئے باعث نجات ہونگے - مگر وہاں معاملہ برعکس تھا - اُنھوں نے ہمیں سے پناہ ڈھونڈی - جو سوار اُن کے ساتھ تھے وہ غریب عورتوں سے زیادہ مصیبت زدہ تھے - لڑتے لڑتے ہتھیار اُن کے شکستہ ہو گئے تھے - جسم مجروح تھے - لباس ٹکڑے ٹکڑے - ٹوپیاں سر کے خون سے رنگین

وردیاں خون آلود۔ مختصر یہ کہ جس وقت ہم اِس بدبخت قافلہ سے ملے اور انگریزی زبان میں بات چیت کی تو وہ سب اِس خیال سے خوش ہوئے کہ ہم فرنگیوں کی کوئی بڑی جماعت اِس مکان میں پناہ گزین ہے۔ جو اُن کو پناہ دینے میں کافی مدد دے گی۔ لیکن جسوقت ہم نے اپنی غم اندوز حکایت اور حسرت آمیز سرگذشت بیان کی اور اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اِس مکان میں بجز ہم دو مصیبت زدہ عورتوں اور ایک لڑکے کے کوئی دوسرا نہیں تو حزن و یاس سے چہروں پر مُردنی چھا گئی۔ میں نے جب ان سے استفسار حال کیا تو معلوم ہوا کہ یہ تارک الدنیا عورتیں ہماری طرح شورش و فتنہ کے وقت دہلی سے نکل کر آگرے کی طرف جا رہی تھیں تاکہ وہاں سے اور کچھ عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے براہِ راست الہ آباد چلی جائیں۔ راہ میں معلوم ہوا کہ باغیوں نے راہیں گھیر لی ہیں۔ جو کوئی اُدھر سے گذرتا ہے بے دریغ قتل کر ڈالتے ہیں۔ مجبوراً وہاں سے لوٹیں اور کانپور کا راستہ اختیار کیا۔ راستہ میں جو کوئی زخمی سپاہی یا مصیبت زدہ عورت ملتی تھی۔ اس کو اپنے ساتھ لیتی ہوئی چلی آتی تھیں۔ چنانچہ کچھ مدّت میں یہ پریشان حال لوگوں کا ایک گروہ بن گیا۔ میں نے اِس سے قبل کبھی انگریزی یا ہندوستانیوں کا فلاکت زدہ قافلہ نہ دیکھا تھا اِن کی صورتوں پر نظر کرنے سے دل بے چین ہوتا تھا۔ جوان بوڑھے سب شکستہ دل اور تباہ حال تھے۔ چہروں پر زردی۔ ہونٹ

خشک، لب پر آہ - پریشان مو - پراگندہ گیسو - آنکھیں سوج گئی تھیں پاؤں چلتے چلتے ورم کر آئے تھے - بھوک پیاس کا یہ عالم تھا کہ پوری طرح بات منہ سے نہ نکلتی تھی - یہ بے چاری عورتیں مختلف سن اور مختلف طبقوں کی تھیں - بعض ناکتخدا تھیں، بعض تازہ دلہنیں بعض بوڑھیاں کسی کے ساتھ بچہ - کوئی بے اولادی - یہ فقط اس امید پر زندہ تھیں کہ شاید ملکہ انگلستان کی فوجیں آجائیں اور ان کو اپنے ساتھ لے کر اس مہلکہ سے نجات دیں حالانکہ یہ صرف ان کا خیال ہی خیال تھا - اگر چند انگریزی پلٹنیں آ بھی جاتیں تو کیا تمام ہندوستان کے مقابل میں ان کی فتح و ظفر کی امید ہو سکتی تھی؟ سارے ملک میں جب ہلچل مچی ہوئی تھی اور ہندو مسلمان سب نے انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا - تو کیونکر صورتِ نجات نکل سکتی ہے؟

ہر طرف باغی گرسنہ بھیڑیوں کی طرح ہم لوگوں کے کھوج میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں کوئی گروہ قتل پر آمادہ ہے کوئی مال و دولت لوٹ رہا ہے - کوئی مکانات میں آگ لگا رہا ہے کوئی ستم رسیدوں کی گرفتاری میں مشغول ہے کوئی حیلہ بازی اور فریب ہی سے کام نکال رہا ہے - غرضیکہ ایک عجیب طوفان بدتمیزی برپا ہے ایسی حالت میں کیا امید نجات ہو سکتی ہے - ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ تارک الدنیا عورتیں چونکہ اکثر ہندوستانیوں کے بچوں کو تعلیم دیتی تھیں - اس خیال سے شاید وہ کچھ ان کے ساتھ رعایت کر جائیں

ورنہ ہم کو تو اپنے لئے کسی قسم کے رحم کی امید تھی ہی نہیں ؛

غرضیکہ اِن سب عورتوں کا یہ ارادہ تھا کہ اِس سرائے میں رات بسر کر کے علی الصباح پھر کوچ کر دیں ؛

رسم و عادت کے موافق گرمی کی فصل میں سونا تو صحن میں چاہیے تھا مگر یہ سب لوگ جان کے خوف سے حجروں میں گھس گئے - اور دروازے بند کر لئے - بیمار بیمار تو سب ایک حجرے میں ہو گئے اور عورتیں اور لڑکے دوسرے حجرہ میں چلے گئے - زخمی اور دوسرے مرد تیسرے حجرہ میں جا لیٹے - یہ سرا اس وقت سرا نہ تھی بلکہ بیمار گھر یا شفاخانہ معلوم ہوتا تھا - کیونکہ سب برابر لیٹے ہوئے آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے - جب نماز کا وقت آیا - پادری نے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور سب نے بلا کسی فرقہ کی تمیز کے اس کے پیچھے فرض الٰہی کو ادا کیا اور درگاہِ خدا میں نہایت خضوع و خشوع سے اپنی خلاصی کے لئے دعا مانگی ؛

ظہر کے قریب ہندوستانیوں کی ایک جماعت اِس سرائے کے قریب آ کر اُتری اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چل کھڑی ہوئی - اُسے یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ اس کے اندر کوئی ہے بھی یا نہیں اگر پتہ چل بھی جاتا تو ہم کو اُن سے کسی مضرت کا خوف نہ تھا - کیونکہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے - اور کوئی ہتھیار پاس نہ تھا - البتہ یہ ضرور ممکن تھا کہ معلوم ہونے پر باغیوں سے ہمارا حال بیان کر دیتے

اور ان کے ساتھ شریک ہو کر ہمیں لوٹتے اور قتل کر دیتے - خدا کا یہ بھی فضل ہی ہوا - کہ وہ جلدی سے منہ کالا کر گئے اور ہم کو فکر سے نجات مل گئی - جب آفتاب قریب غروب ہوا - ہم میں سے کچھ لوگ سرائے کے باہر گئے اور بقدر ضرورت چشمہ سے پانی لے آئے - جس قدر سوکھی گھاس جمع ہو سکی لا کر اپنے چوپاؤں کے سامنے ڈال دی خیال تھا کہ یہ رات نہایت آرام سے بسر ہو گی - مگر آرام تو ایک عرصہ سے ہم سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا - وہ کہاں اور ہم کجا - وہ معمولی خوشی فوراً غم سے بدل گئی - جب کہ اس گورے نے جو باہر والے دروازے کا محافظ تھا بہ حالت پریشان یہ خبر آ کے بیان کی کہ دُور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیتے ہیں - ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ دوست ہیں یا دشمن - غیر ہیں یا اہلِ وطن ؞

ایک - تم نے یہ بھی دیکھا کہ اُن کے لباس کیسے ہیں ؟

پہرہ دار - دُور سے تو مجھے سُرخ وردیاں معلوم ہوتی ہیں ؞

دوسرا - خوش ہو کر - بس تو پھر کیا ہے انگریزی فوج آ گئی ؞

تیسرا - ابھی سے اِس کا کیونکر یقین کر لیں کہ وہ ہمارے ہم وطن ہی ہیں - کیا یہاں کے ہندوستانی سُرخ وردیاں نہیں پہنتے ؟

چوتھا - اچھا - پھر اب کیا کرنا چاہیئے ؟

پانچواں - مرنے کی تیاری ؞

چھٹا - دیکھو عزیزو - قسمت کا لکھا تو مٹتا نہیں مگر اپنی سی تدبیر ضرور

کرنا چاہیئے۔ اِس وقت ہمارے درمیان دو فوجی سردار ایسے ہیں جن کے جسم پر خدا کے فضل سے کوئی زخم نہیں۔ ایک باجا بجانے والوں کا سردار اور دوسرا پچاس سواروں والا سردار۔ اِن دونوں کو دروازے کے پیچھے نگہبانی کے لئے چھوڑ کر گھوڑوں اور بیلوں کے مُنہ خوب زور سے باندھ دو۔ اگر یہ لوگ باغی سپاہیوں میں سے ہوں گے تو سرائے کے اندر نہ آئیں گے بلکہ باہر ہی قیام کریں گے۔ بس ایسا نہ ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی گھوڑا یا بیل آواز کرنے لگے اور وہ مطلع ہو کر ہم سب پر ٹوٹ پڑیں۔

قاعدہ ہے کہ جب تک انسان ناز و نعمت اور عیش و سعادت میں رہتا ہے اس پر غفلت چھائی رہتی ہے اور جب سختی و مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو چشم و گوش دونوں کھل جاتے ہیں اور سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے میں چونکہ اِس جماعت میں ناگہانی دیکھ چکی تھی۔ اس وقت سیماب کی طرح بے قرار تھی۔ ہر چند دل کو سمجھاتی تھی مگر ذرا اثر نہ ہوتا تھا۔ جب زیادہ بے چین ہوئی تو میں ان دونو سرداروں کے پاس جا کر جو دروازے پر حفاظت کے لئے متعین ہوئے تھے۔ پاسبانی میں شریک ہو گئی میرا بچہ ویل دو چار ہم سن لڑکوں کے ساتھ سرائے کے صحن میں کھیل رہا تھا۔ اور میری لڑکی عورتوں کے بیچ میں بیٹھی اپنی سرگذشت بیان کر رہی تھی۔

دو منٹ نہ گذرے ہوں گے کہ ان دونوں میں سے ایک سردار نے ایک مرتبہ ہی غل مچایا اور دروازے کے اندر آ گیا۔ میں نے ہر چند پوچھا کہ کیا ہوا۔ کیا حادثہ پیش آیا۔ مگر خوف سے اُس کی زبان بند تھی۔ چہرہ کا

رنگ اڑا ہوا تھا۔ تمام جسم میں رعشہ تھا۔ نہایت وحشت و اضطراب کے ساتھ بغیر مجھے کسی قسم کا جواب دیئے اپنے رفیقوں کے پاس یہ فریاد کرتے چلا گیا ؛

"اُف غضب آگیا۔ یہ وہی ہندوستانیوں کی فوج ہے۔ جس کا میں سردار تھا"

یہ الفاظ سنتے ہی سب کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ ہوش و حواس گم ہو گئے اور کچھ ایسے حسرت و یاس سے ایک نے دوسرے پر نظر کی۔ گویا اُنھوں نے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو لئے ہیں۔ مجھے یہ خیال تھا کہ یہ گروہ سواروں کا تھوڑی دیر سستا کر اور اپنے جانوروں کو دانہ پانی دے کر اپنی راہ لیگا۔ مگر آہ۔ ایسا کیوں ہوتا۔ اُنھوں نے پوری اقامت کا سامان کر دیا۔ زمین میں جابجا میخیں گاڑھیں۔ گھوڑوں کی زینیں اور لگامیں اتاریں۔ فرش بچھائے اور لیٹ رہے۔ بعضوں نے آگ روشن کر کے کھانا پکانا شروع کیا۔ قرینے سے معلوم ہوا کہ رات کو یہی قیام ہوگا۔ ہندوستان کی راتیں اور دن گرمی کے لحاظ سے برابر ہوتی ہیں۔ پس ایسی حالت میں کیا یہ ممکن ہے کہ بارہ گھنٹے کے اندر ان شریروں میں ایک آدمی بھی سرائے کے اندر قدم نہ رکھے اور ہم کو نہ دیکھے ؟ یا اس مدت دراز میں ہماری یا چوپاؤں میں سے کسی کی آواز باہر نہ نکلے اور ان کے کان تک کوئی صدا نہ پہنچے۔ خدا کی پناہ کیا مصیبت کا وقت تھا۔ بہرحال ایک گھنٹہ گذر گیا اور طرفین میں سے کسی کی صدا بلند نہ ہوئی۔ میں کسی قدر مطمئن سی ہو کر صحن میں آئی۔ دیکھا کہ ویل بدستور بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے اور ایلن عورتوں سے باتیں کر رہی ہے وہاں سے سیدھی زخمیوں کے کمرے میں پہنچی پادری

کو دیکھا - اپنی اطاعت و عبادت کا سامان چمڑے کی خورجی سے نکال رہا ہے تاکہ نماز جماعت باقاعدہ ادا کرے۔ ہم جبکہ عبادت الٰہی میں مشغول تھے باغیوں کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے نے ہنہنانا شروع کیا - اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے بھی ہنہنانے لگے - یہاں تک کہ موافق گھوڑوں کی عادت کے ایک مرتبہ ہی باغیوں کے سب گھوڑے ہنہنا اُٹھے - سرائے کے اندر سے ہمارے گھوڑوں نے بھی ہنہنانا شروع کیا - آواز کا باہر پہنچنا تھا کہ غضب ہی تو آگیا - فوراً بیس پچیس باغی سوار اندر کی طرف جھپٹ پڑے اور دروازے کو توڑ کر تلواریں کھینچے ہوئے زخمیوں والے حجرہ میں آگئے پادری بیچارہ ابھی عبادت میں مشغول تھا کہ انہوں نے طمنچے کمر سے نکال کر اس کی طرف کئے - بارود کے دھوئیں سے تمام کمرہ تیرہ و تار ہو گیا جب ذرا دھواں کم ہوا اور کسی قدر روشنی بھی ہوئی تو یہ ایک عجیب بات دیکھی کہ وہ پادری جس پر کئی فیر ایک ساتھ کئے گئے تھے - اسی طرح کھڑا ہوا مشغول عبادت ہے اور کوئی زخم اس کے جسم پر نہیں ۞

باغی ننگی تلواریں لئے ہوئے اس کے قریب گئے - اور گریبان پکڑ کر چاہا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیں - تارک الدنیا عورتیں ان کے دامنوں سے لپٹ کر التجا کرنے لگیں کہ للّٰہ اس بوڑھے پادری کے خون سے درگذرو - باغیوں میں ایک شخص جو زیادہ دلیر تھا - اُردو زبان میں پادری سے کہنے لگا ۔

باغی - ہم کو اپنے محبوب کا نشان دو ۞

پادری - (صلیب گردن سے نکال کر) دیکھو یہ نشان ہے۔ کہ ہم امتیان پیغمبر سے ہیں۔ ہم کو قتل ہونے سے عار نہیں ہے اور نہ جان دینے سے انکار ہے۔ بلکہ مظلومیت ہمارے مذہب کی قوت کا باعث ہے ۔

پادری نے اِس لئے کہا کہ اگر دینی پیشوا جذبہ مظلومیت نہ رکھتے اور مردانہ وار اپنی جان دینی کاموں میں قربان نہ کرتے تو ہرگز ترویج شریعت اور اعلائے کلمہ دین میں اُن کا قول موثر نہ ہوتا۔ باغیوں نے پادری کا یہ کلام سُن کر کہا :-

باغی - ہم اس شرط کے ساتھ تم کو زندہ چھوڑ سکتے ہیں کہ جس قدر مال تم لوگوں کے پاس ہو۔ ہمیں دیدو ۔

سب نے رو کر کہا۔ "بھلا ہمارے پاس مال کہاں اگر مال ہوتا تو اِس مصیبت ہی میں کیوں ہوتے ۔

اِن بدبختوں نے کہا۔ "ہم یوں نہیں مانتے۔ تم میں سے ایک ایک ہو کر ہمارے سامنے سے گذرے۔ ہم تمہارے کپڑوں میں تلاش کرینگے" ۔

اِس تجویز کی بنا پر ہم میں سے ایک ایک عورت جانے لگی۔ باغی ہر ایک کی بغل اور جیب تلاش کر رہے تھے۔ مگر کسی کے پاس سے ایک حبہ برآمد نہ ہوتا تھا۔ تا اینکہ میری نوبت آئی۔ لرزتی کانپتی آگے بڑھی۔ باوجودیکہ میں ہندوستانی لباس پہنے ہوئے تھی۔ لیکن اُنہوں نے مجھے پہچان لیا اور عقب والے ایک کمرہ میں دیکھنے لگے۔ اِن تارک الدنیا عورتوں میں سے ایک نے کہا "اِس بیچاری بڑھیا کو بھی چھوڑ

دو۔ میں نہیں جانتی کہ کیا ہوا۔ باوجود انتہائی شقاوت اور خونخواری کے اُنہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ یہ صرف ایک خدائی فضل ہی فضل تھا کہ میں نے اِن موذیوں کے پنجے سے نجات پائی ۞

میں تو چھوٹ گئی۔ لیکن لڑکے اور لڑکی کی وجہ سے حد درجہ پریشان تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ وہ دونوں مجھے غائب پاکر بے چینی میں اپنے مقام سے ڈھونڈھنے کے لئے نکل پڑیں اور اِن خونخواروں کے تیغوں میں رکھ لئے جائیں۔ لیکن میں کیا کر سکتی تھی۔ کوئی قابو نہ تھا۔ اور چاروں طرف سے باغی گھیرے ہوئے تھے۔ دل میں کہتی تھی خدایا کیوں میں ایک پشّہ بے مقدار نہ ہوئی کہ اپنی پیاری اولاد کی طرف پرواز کرجاتی یا ایک ضعیف چیونٹی کیوں نہ ہوئی کہ اِن وحشیوں کے پیروں کے نیچے سے گذر کر اپنے بچّوں سے جا ملتی اور ان کے دل کو تسکین دے کر کہتی۔ میرے پیارے بچّو! اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ کسی قسم کی فریاد و فغاں نہ کرنا اور آہستہ آہستہ ہاتھ بلند کر کے اپنی نجات کے لئے دُعا کئے جانا۔ تم یتیم و شکستہ دل ہو۔ کیا بعید ہے کہ تمہاری دُعا قبول ہو جائے اور یہ خونخوار گروہ دوسروں کے خون سے سیر ہو کر یہاں سے چلا جائے ۞

میرے دل میں اس وقت بالکل دیوانوں کے سے خیالات تھے۔ اِسی درمیان میں رات کی تاریکی تمام جہان پر چھا گئی۔ میں اب تک ویسی ہی پریشان تھی اور کوئی تدبیر اپنے بچّوں تک پہنچنے کی سمجھ میں نہ

آتی تھی۔ کس سے معلوم کرتی کہ وہ زندہ ہیں یا اپنے خون میں لوٹ رہے ہیں۔ جہاں چھوڑا تھا۔ وہیں ہیں یا دامِ اجل میں پھنس گئے۔ باغیوں نے خوب اچھی طرح سے لوٹ مار کرکے سرائے کے قریب آگ روشن کی اور مالِ غنیمت تقسیم کرنے لگے۔ میں تارک الدنیا عورتوں کے ساتھ ایک تاریک گوشہ میں بیٹھی ان کی یہ حالت دیکھ رہی تھی۔ سردار ان کا ایک گوشہ میں خاموش بیٹھا تھا اور ان کے جرم میں شریک نہ تھا اور منع بھی نہ کرتا تھا۔ البتہ جس وقت سپاہیوں نے یہ چاہا کہ بیکس عورتوں کو ستائیں اور پادری کو ایذا دیں تو وہ اِس فعلِ زشت سے مانع آیا۔ میرا دل اس وقت ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اور رہ رہ کر بچوں کا خیال آتا تھا۔ منتظر تھی کہ ذرا یہ لوگ سو جائیں تو نکل کر ایلن اور ویل کی حالت معلوم کروں ؛

خدا کی شان دیکھو کیا سامان کرتا ہے۔ باغیوں کا ایک سپاہی جس کے سینہ پر بڑا گہرا زخم لگا تھا اور پرنالہ کی مانند اس سے خون جاری تھا ایک جگہ بیہوش پڑا ہوا تھا اور اس کے ساتھی اُسے مُردہ تصوّر کرکے چھوڑ گئے تھے۔ ایک بار ہی نہ معلوم کیا ہوا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر فریاد کرنے لگا" ارے میں زندہ ہوں۔ میری خبر لو۔ اگر کوئی میرے زخم کو باندھ دے تو اُمید ہے کہ میں بچ جاؤنگا" ؛

اِس فوج کا جرّاح چونکہ چلا گیا تھا اور بقیہ لوگوں میں کوئی جرّاحی جانتا نہ تھا۔ لہذا اس کی حالت پر لوگوں کو رحم ان تارک الدنیا عورتوں

سے التجا کی۔ چونکہ موافق شرائط رہبانیت و آئین مذہبی یہ اُن کا فرض تھا کہ بیماروں اور مجروحوں کی پرستاری کریں۔ لہذا ان میں سے دو عورتیں اور ایک پادری اس مجروح سپاہی کے پاس گئے۔ میں بھی اُن کے ہمراہ تھی۔ اس کا زخم ممکن العلاج پاکر فوراً پانی سے دھویا اور خوب صاف کر کے ان میں سے ایک نے مرہم پٹی کر دی ؛

اِس درمیان میں فرصت کو غنیمت جان کر میں ایک گھڑا لئے ہوئے چشمہ پر چلی گئی اور جلدی جلدی اس کا زخم دھونے کے لئے پے در پے دو تین گھڑے بھر کر لائی۔ گویا اس وقت میری حالت ایسی تھی جیسے کہ ایک شفیق ماں اپنی اولاد کی تکلیف میں اظہار غمخواری و بیقراری کرتی ہے۔ اِس سپاہی کے ساتھیوں اور ہم وطنوں نے جب میری یہ شفقت اور پرستاری دیکھی تو مجھ سے نرمی کا برتاؤ کرنے لگے۔ لیکن چونکہ مریض کا رشتہ حیات منقطع ہو چکا تھا۔ اِس لئے نہ میری پرستاری کام آئی نہ اِن تارک الدنیا عورتوں کی مرہم پٹی اور زخم دوزی۔ چند ہی منٹ کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لیا اور جان جان آفرین کے سپرد کی ؛

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ یہ وہی سپاہی تھا۔ جس نے ہمارے پادری کو ستایا تھا۔ جب سپاہیوں کو اپنے رفیق کی زندگی سے مایوسی ہو گئی تو وہ ایک ایک کر کے چلدیئے۔ خالی موقعہ پا کر پادری کی بن آئی کہنے لگا "یہ بے ادب کور باطن چاہتا تھا کہ میرے خدا کو دیکھے۔ اُس

نے صلیب کو میری گردن سے بجبر نکالا تھا۔ زندگی میں تو میرے خُدا کو نہ دیکھ سکا۔ اب میں اس کو بپتسمہ کا غسل دے کر اپنے معبود کے پاس جو ہر کم وبیش کا دانا وبینا ہے بھیجتا ہوں"۔ میں موقعہ کو غنیمت سمجھ کر سرائے کے اندر چلی گئی۔ دو چار قدم ہی بڑھی تھی کہ میرا پیر ایک لاش میں اُلجھا۔ اور منہ کے بل زمین پر گر پڑی ہاتھ مُنہ اور کپڑے سب خون میں بھر گئے۔ کیونکہ اندھیرا زیادہ تھا اور قدم قدم پر لاشیں پڑی ہوئی تھیں مجبوراً میں نے چاروں ہاتھ پاؤں پر چلنا شروع کیا۔ اس وقت ایک نہایت وحشت خیز خیال مجھے آیا۔ کہ مبادا میرے بچے بھی انہی مقتولوں کی طرح کسی جگہ قتل کئے پڑے ہوں۔ قریب تھا کہ زیادہ پریشانی اور رنج میں یہ کلمات میری زبان پر جاری ہو جائیں کہ اے بیرحم خونخوارو! اے سرکش باغیو۔ کیا تم نے لباس کے بدلنے سے مجھے ہندوستانی خیال کیا اور پناہ دی۔ ایسا ہرگز نہیں اگرچہ میں ایک ستم رسیدہ عورت ہوں لیکن انگریز ہوں اور تمہاری دشمن۔ بہت جلد میرا کام تمام کردو۔ کہ میں اپنے بچوں سے جا کر مِل جاؤں۔ یہ میرے لئے ایسا وقت تھا۔ کہ خدا کی ناسپاسی اختیار کرتی۔ اور اس کی رحمت سے قطعاً مایوس ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی بدبخت عورت جس کا شوہر مر چکا ہو۔ اور اب وہ اپنے دو یتیم بچوں کے ساتھ طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو اور ایک بار صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے اور بے اختیار بلکہ دیوانہ وار سخنان کفر آمیز زبان سے نکالے۔ تو وُہ ضرور معذور ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے ہوش

وحواس میں نہیں - اگر کوئی دوسری عورت میری جگہ ہوتی اور اس قدر مصائب و آلام کا سامنا ہوتا تو یا فرطِ الم سے فوراً مر جاتی یا دیوانی ہو جاتی یا دین سے برگشتہ - خیر جس طرح بھی ہو سکا - اپنے کو اس مقام تک پہنچایا - جہاں سکونت اختیار کی تھی - آہستہ دروازے کو کھولا - اور بچوں کو آواز دی - کوئی جواب نہ سُنا - پھر پکارا کوئی آواز نہ آئی - میں نے دل میں کہا - افسوس یہ گروہ بغاوت پیشہ یہاں تک بھی پہنچ گیا اور آخرکار ہم کو داغ فرزندی میں مبتلا کر ہی دیا - لیکن پھر اس خیال سے کہ مبادا میری بلند آواز باغیوں کے کانوں میں پہنچ جائے اور وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑیں - ساکت ہو گئی - مگر ہائے بے چین دل کو قرار کہاں ؟ تھوڑی دیر بعد آہستہ آہستہ پکارنا شروع کیا - خدا کا شکر ہے کہ اب کی بار ایلن کی آواز مجھے سُنائی دی - دل کو کسی قدر اطمینان ہُوا - دبی آواز سے پوچھا - "تمہارے سوا یہاں کوئی اور تو نہیں" اُس نے کہا "دو بچے اور دو عورتیں بھی ہیں" - میں یہ سُن کر خوش ہوئی کہ میرے بچے تنہا نہیں ہیں - زیادہ گفتگو کا موقعہ نہ تھا - میں نے صرف اتنا ایلن سے اور کہا "بیٹا دیکھو - صبح تک یوں ہی خاموشی سے رہنا - ذرا آواز بلند نہ کرنا طلوع آفتاب پر میں تمہارے پاس آؤنگی - اُس وقت تم میری منتظر رہنا یہ کہہ کر میں باطمینانِ قلب تارک الدنیا عورتوں کے پاس چلی آئی - اس رات میں جو خوف و ہراس ہمارے قلوب پر رہا - اس کا اندازہ ہم ہی خوب کر سکتے ہیں - رات تھی یا قیامت کا دن - شب تھی یا رنج و غم کی گھٹا -

بہر حال جس طرح ہوا۔ اِس طولانی رات کو ہم نے بسر کیا۔ صبح نمودار ہوتے ہی انگریزی قاعدے کے مطابق باغیوں کی فوج میں بگل بجا اور تمام سپاہی خواب سے بیدار ہوئے۔ کوئی اپنا گھوڑا ملتا تھا۔ کوئی زین کستا تھا۔ کوئی ہاتھ منہ دھوتا تھا۔ کوئی عبادت میں مشغول تھا۔ جب سب کاموں سے فراغت ہو گئی۔ تو اِس گروہ ستم کیش نے بغیر ہم سے کسی قسم کا تعرض کیئے کوچ کر دیا۔ ایک چھکڑے میں پیچھے ان تمام لاشوں کو لادے لئے جاتے تھے۔ جو انگریزی فوج کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے۔ تا کہ جمنا کے کنارے پر پہنچیں تو موافق اپنے عقائد مذہبی کے سب کو اس کے اندر ڈال دیں ؛

جب سرائے سپاہیوں کے وجود منحوس سے خالی ہو گئی تو مجھ سے ایک تارک الدنیا عورت نے کہا :۔

راہبہ۔ کہئے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اگر ہمارے ساتھ چلنے کا قصد ہے تو بسم اللہ۔ اب کیا دیر ہے اگر کوئی دوسرا ارادہ ہے تو آپ جانیئے ؛

میں۔ میں ابھی اس ششش و پنج میں ہوں کہ میں کیا کروں۔ یہی خیال ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ پھر ستمگر حملہ کریں ؛

راہبہ۔ میرے خیال سے اگر آپ نے ہمارے ساتھ سفر کیا تو شاید آپ زیادہ محفوظ رہیں۔ کیونکہ ہندوستانی لوگ ہمارے ساتھ خاص طور سے رعایت کرتے ہیں ؛

میں۔ بے شک یہ کہنا تو آپ کا بجا ہے۔ لیکن میرا آپ کا ساتھ کیونکر

ہو سکتا ہے۔ میں کانپور جانے کا قصد رکھتی ہوں۔ جو یہاں سے بہت قریب ہے اور آپ الہ آباد کا جو میرے خیال سے ساٹھ فرسنگ مسافت پر ہے ٭

راہبہ۔ کانپور کا آپ نے قصد ہی کیوں کیا ہے۔ ہمارے ساتھ الہ آباد چلیئے۔ وہاں ہم لوگوں کا ایک گرجا ہے۔ جس کے اندر داخل ہونیوالا نہایت امن و امان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ وُہ یقیناً ہمارے لئے ایک محفوظ مقام ہوگا ٭

میں۔ کانپور جانے کا خیال میں نے اِس وجہ سے کیا ہے کہ وہاں جنرل وہلر ہے جس کی شجاعت و مردانگی کا آوازہ ملکۂ انگلستان کے اقبال سے تمام سلطنت انگلشیہ میں ہو رہا ہے۔ بس میں اسی کی پناہ میں رہوں گی ٭

راہبہ۔ یہ خیال آپ کا غلط ہے وُہ دن دُور ہو گئے جب ان کی جوانمردی کا سکہ لوگوں کے دلوں پر ہو گا۔ اس وقت زمانہ پُر آشوب ہے۔ کوئی سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتا۔ عقلمند کو چاہیئے کہ موہوم کو اُمید پر ترجیح نہ دے۔ الہ آباد میں تحفظ جان و ناموس یقینی ہے اور کانپور میں وہمی ٭

خلاصہ یہ کہ اس راہبہ کے کہنے نے اس وقت میرے دل پر اثر کیا اور ہم سب لوگ با حالِ پریشان اِس کاروان سرائے سے روانہ ہوئے۔ راہ کے واقعات بھی تفصیل سے لکھنے کے قابل تھے۔ مگر بخوفِ طوالت میں سب کو نظر انداز کرتی ہوں۔ ہر شخص اپنے دل میں فیصلہ کر لیگا۔ کہ ایک ایسے بے بس و بے کس قافلہ کا سفر کیسا ہو گا۔ جس کا کوئی دوست نظر ہی نہ آتا ہو گا۔ بھوکے پیاسے پیادہ پا بیاباں کی گرد اُڑاتے دھوپ

کی ایذا جھیلتے الہ آباد کی طرف چلے جاتے تھے۔ بجز لطفِ الٰہی اور کسی کا آسرا نہ تھا۔ تیسرے دن جبکہ اس تباہ حال قافلے نے کچھ دیر سستانے کے لئے چند درختوں کے نیچے قیام کیا۔ تو مجھ کم بخت و بدنصیب کی رائے پھر یکایک بدل گئی۔ ہائے منحوس وقت تھا جبکہ اِس خیال نے میرے اُوپر غلبہ حاصل کیا۔ کہ بجز کانپور کہیں میرے لئے پناہ کا نام نہیں ہو سکتا ہر چند اِن تارک الدنیا عورتوں نے سمجھایا۔ مگر بھلا میں کب ماننے والی تھی۔ اپنی بات کی پکی۔ جو دل میں سمائی تھی۔ اس کا کرنا ضروری تھا۔

میرا خیال تھا کہ کانپور پہنچ کر جنرل وہلر کی زیر سرپرستی کسی مقام پر بودوباش اختیار کرونگی اور جو اشرفیاں میرے لباس میں سلی ہوئی ہیں اُن کو ذریعہ معاش اور وسیلہ آسائش قرار دوں گی۔ کانپور جانے کی طرف جو اِس قدر رغبت مجھے پیدا ہوئی۔ اِس کا قوی سبب دو شخصوں کا اغوا اور اصرار تھا۔ ایک تو فوجی باجا بجانے والا اور دوسرے اُس کی بیوی۔ یہ دونوں برابر کانپور چلنے پر زور دے رہے تھے۔ اگر ان کا اصرار حد سے نہ بڑھتا تو میں ہرگز اِن تارک الدنیا عورتوں کی رائے کے خلاف نہ کرتی غرضیکہ چوتھے روز ہم نے اِس قافلے سے علیحدگی اختیار کی۔ وہ سب عورتیں الہ آباد کی طرف روانہ ہو گئیں اور ہم کانپور کی طرف۔ لیکن کانپور کے قریب پہنچنے تک ہم کو اس کا مطلق پتہ نہ چلا کہ نانا راؤ ایک شخص فرقہ باغی کا سردار کانپور اور اس کے مضافات کا مالک بن گیا ہے اور جنرل وہلر جس کی ذات سے ہماری تمام اُمیدیں وابستہ تھیں۔ سرکاری شفاخانہ میں چند انگریزوں

کے ساتھ محسوس ہے۔ اِس واقعہ کی اطلاع ہم کو اُسوقت ہوئی جب کہ ہم شہر کانپور کے قریب گنگا کے کنارے پر پہنچ گئے۔

یہ ایک ہماری خوش نصیبی اور نیک بختی تھی کہ نانا راؤ کے سواروں کی نظر ہم پر کہیں نہ پڑی۔ حالانکہ یہ لوگ کئی روز سے برابر دریائے گنگا کے کناروں پر گھومتے پھرتے تھے۔ تاکہ جو فرنگی الہ آباد۔ کلکتہ یا بنارس جانے کے خیال سے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کو عبور کریں۔ اِن سب کو گرفتار کر لیں۔ بعض دہقانوں کو جو ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں سے تھے ہماری حالت پر بہت رحم آیا۔ اور ازراہِ شفقت اُنھوں نے ہم سے کہا۔ کہ تم لوگ کانپور ہرگز نہ جاؤ۔ ورنہ یقیناً مار ڈالے جاؤ گے۔ چند روز یہیں گنگا کے کنارے پر جو وسیع جنگل ہے اپنے کو پوشیدہ رکھو۔ ممکن ہے کہ شہر میں امن و امان قائم ہو جائے اور تمہاری خلاصی کی صورت نکل آئے۔ اِس کے علاوہ اُنھوں نے اپنی حیثیت کے موافق کچھ کھانا اور کچھ لباس بھی دیا۔

اس وقت بہت پشیمان تھی۔ کہ تارک الدنیا عورتوں کے مشورے کو نہیں مانا مگر اب پچھتانا اور ملامت کرنا بیکار تھا۔ کیونکہ وقت نکل چکا تھا۔

دن قریب ختم تھا۔ ہم اِس انتظار میں تھے کہ رات کی تاریکی زیادہ ہو تو جس طرح بنے اپنے کو شہر کے اندر داخل کر دیں۔ جب اندھیرا بڑھا تو ہم نے تیزی کے ساتھ چلنا شروع کیا۔ اُف گنگا کا منظر اس رات کو کیسا خوفناک تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک اژدہائے مہیب صورت منہ کھولے تیزی کے ساتھ چلا آتا ہے۔ جب ہم دریا کو طے کر کے ذرا آگے بڑھے تو

شہر کانپور کی عمارتیں ۔مسجدوں کے مینار۔مندروں کے گنبد نظر آئے۔طبیعت کو بے حد تفریح ہوئی اور شکر خدا بجالائے کہ ہمارا سفر ختم ہوا۔ہم لوگ کئی روز متواتر چلنے سے اِس قدر تھک گئے تھے کہ ایک قدم چلنا دشوار تھا کچھ دُور ہمت کر کے بڑھے آخر نہ چلا گیا اور جنگل کی گھاس پر بے اختیار ہو کر گر پڑے۔

چند منٹ مشکل سے گذرے ہونگے کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ہمارے کان میں آئی اور تھوڑے تھوڑے سوار بھی ہمارے قریب آتے معلوم ہوئے۔ہم جلدی سے اُٹھ کر درختوں کی آڑ میں ہو رہے اور دیکھتے رہے کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔یہ سب مسلح سوار تقریباً پچاس کی تعداد میں ہوں گے جو نہایت سرعت کے ساتھ ہمارے سامنے سے گذر رہے تھے۔ایک لحظہ نہ گذرا تھا کہ ان کے پیچھے پیچھے ایک دستہ اور آیا۔غالباً بدبختی کے موقعہ پر انسان کے ہوش وحواس بہ نسبت ایام سعادت زیادہ درست ہوتے ہیں۔ہم نے اس وقت یہ خیال کیا کہ پہلا دستہ باغیوں کا ہے اور دوسرا انگریزی سواروں کا۔کیونکہ یہ لوگ انگریزی زبان میں کلام کر رہے تھے۔ہم سب نہایت خوشی خوشی اطمینان قلب کے ساتھ ان کے پاس گئے اور زبان انگریزی میں گفتگو شروع کی۔وُہ ہماری گفتگو سنتے ہی یکایک رُک گئے۔میں نے مختصر طور سے اپنی سرگذشت بیان کی اور اپنا اور اپنے شوہر اور داماد وغیرہ کا نام اُن سے بیان کیا اور کوئی امر اپنے متعلق پوشیدہ نہ رکھا۔جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ذی ثروت اور آبرو دار ہیں۔خاصکر جب یہ جانا کہ میرا داماد انگریزی فوج کا سردار تھا۔تو وہ سب اس بات پر راضی ہو

گئے کہ ہم کو جنرل وہلر کے پاس پہنچادیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ہم کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور وہاں سے چل دئے۔ تھوڑی دیر بعد ہم جنرل وہلر کے مسکن میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۷ جون کا تھا۔ بیس روز ہوئے تھے کہ نانا راؤ نے اس انگریزی سردار کو اپنے محاصرہ میں کر لیا تھا۔ جنرل مذکور بہت زخمی ہوا تھا۔ جب ان لوگوں پر زیادہ تشدّد ہوا اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تو مجبورًا اپنے کو نانا راؤ کے سپرد کر دیا۔ مگر اس شرط پر کہ جنرل مذکور معہ اپنے ساتھیوں کے شہر سے باہر چلا جائے اور سپاہ بغاوت پیشہ ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کرے۔ نانا راؤ نے اس کو منظور کر لیا اور چند کشتیوں کا انتظام ہم لوگوں کے عبور کرنے کے لئے دریا گنگ پر کرا دیا۔ میں جنرل وہلر کے واقعات تفصیل سے لکھنا نہیں چاہتی۔ اسکو مورخین پر چھوڑتی ہوں۔ میں صرف انہیں واقعات کو لکھتی ہوں۔ جن کا تعلق میری سرگذشت سے ہے ؛

المختصر ایک روز ہم شفاخانے سے باہر نکلے۔ میں اور میرے بچے ایک گاڑی میں اور دوسرے لوگ اور گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے دریا کے کنارے کی طرف جہاں بہت سی کشتیاں موجود تھیں چلے جاتے تھے۔ چونکہ نانا راؤ نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ہم کو نہایت عزت و آبرو کے ساتھ اپنی حفاظت میں دریائے گنگا سے پار اُتار دے۔ اس لئے ہماری حفاظت کو دونوں طرف مسلح سپاہی شفاخانہ سے گنگا کے کنارے تک کھڑے ہوئے تھے۔ اور اُن کے پیچھے ایک کثیر جماعت شہر کے تماشائیوں کی کھڑی

ہوئی ہم لوگوں کے جانے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ غرضیکہ ہم لوگ صحیح و سلامت کنارے پر پہنچ کر کشتیوں میں سوار ہوگئے۔ کشتیاں نہایت تیزی کے ساتھ پانی کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی تھیں تاآنکہ ہم درمیان دریا میں پہنچ گئے۔ میں شکر خدا بجا لائی کہ اس نے مہلکہ عظیم سے ہم کو نجات دی۔ اور موت کے منہ سے بچایا مگر آہ اِس کی خبر نہ تھی کہ تازہ مصیبتیں ابھی اور نازل ہونے والی ہیں۔ ابھی آسمان ہمارے ستانے سے باز نہیں آیا۔ ابھی ہماری تکلیف کی انتہا نہیں ہوئی ؎

امیدِ نجات کی دو ایک موجوں سے زیادہ دل میں نہ اُٹھی ہوں گی کہ یکایک ہیں دریا سے آتش بار توپوں کے دغنے کی آواز آنی شروع ہوئی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ بہت سے ہمارے ساتھی کشتیوں میں گولے کھا کر تڑپ رہے تھے۔ کشتیاں گولوں کی زد سے شکستہ ہوگئیں اور پانی اندر آنا شروع ہوا۔ قریب تھا کہ ہم سب ایک بار ڈوب جائیں کہ حسنِ اتفاق سے ہوا تیز چلی اور میری کشتی سب سے پہلے ساحل پر جا لگی۔ میں جلدی سے کشتی سے کودی اور ایلین اور ویل کو گود میں لے کر اُتارا۔ اِس واقعہ کی تفصیل بھی وقائع نگاروں پر چھوڑتی ہوں۔ کشتی سے اُتر کر میں اپنے بچوں سمیت دریا کے کنارے پر مثل مُردوں کے پڑ رہی اور اس بات کا انتظار کیا کہ خونخوار باغی جلد سے جلد یہاں آ کر ہم لوگوں کا کام تمام کر دیں تا کہ اِن روحانی تکالیف سے نجات مل جائے۔ اس وقت کے خوف کی حالت کا لکھنا میری طاقت سے باہر ہے وہ ہیبت ناک منظر تھا کہ میں نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا تھا۔ کلیجہ خوف سے

دھڑدھڑ ہو رہا تھا۔ اس درمیان میں نانا راؤ سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں وارد ہوا۔ اس کے اشارہ سے تمام تلواریں نیام میں چلی گئیں اور نانا راؤ ہم سب کو اپنے آگے کر کے مثل قیدیوں کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ہم لوگ زن و مرد سب تعداد میں ایک سو ساٹھ سے زیادہ ہوں گے اِس کے حکم سے ہم لوگوں کو ایک انگریز سردار کے مکان میں جگہ دی گئی جہاں ہماری آسائش کا کافی سامان مہیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم تھا۔ کہ اِس مکان سے باہر نکل کر کہیں نہ جائیں۔ میں نے نانا راؤ کو اِس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لوگ جو کچھ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں وہ جانیں مگر میں کہتی ہوں کہ اس قتل و غارت کا باعث وہ نہیں تھا۔ یہ شخص زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر کا ہوگا۔ چہرہ نہایت کشادہ۔ صورت نہایت شگفتہ۔ طبیعت اچھی۔ عادات پسندیدہ۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر فرقہ باغی اس کی اطاعت کر لیتا تو یقیناً یہ قتل و غارت ہرگز نہ ہوتا۔ یہ امر جو اس سے خلاف عہد ظہور پذیر ہوا۔ یعنی دریا میں ہمارے اُوپر گولے برسائے گئے۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ جنرل ہا لوک جنرل وہلر کی رہائی کی غرض سے کانپور کے نزدیک آیا ہوا تھا۔ جس وقت کہ ہم کشتی میں بیٹھ کر عازم الہ آباد ہوئے۔ وہ بارود کا ڈھیر جو شفاخانہ میں تھا۔ محافظوں کی غفلت سے جل اُٹھا۔ ہندوستانیوں نے خیال کیا کہ انگریز لوگ پھر جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں اور ابھی کانپور سے باہر نہیں جنرل ہا لوک کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وجہ تھی کہ ہم سب لوگوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن

جب ہم لوگوں کی بیگناہی معلوم ہوئی۔ تو نانا راؤ نے اُن لوگوں کو جو قتل ہونے سے محفوظ رہے تھے نجات دی ٭

تقریباً پندرہ روز ہم اس کی حمایت میں رہے ہوں گے۔ اِس درمیان میں کسی قسم کی تکلیف ہم کو نہیں ہوئی۔ بہت آرام سے زندگی بسر کی۔ لیکن باوجود اِس کے کہ نانا راؤ نے اِس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت کردی تھی۔ چند انگریز عورتیں پھر بھی احاطہ سے باہر چلی گئیں اور باہر کے لوگوں سے نامہ و پیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں باندھ کر باہر پھینکے جاتے تھے اور جاسوس ان کو لے کر مطلوب تک پہنچا دیتے تھے۔ اِسی طرح باہر کے خطوط اندر آتے تھے۔ بعض خطوط سے معلوم ہوا کہ انگریزی فوج نے نانا راؤ کو شکست دی اور عنقریب باغی شہر کو خالی کر کے بھاگنے والے ہیں۔ دوسرے روز صبح کو شہر سے بہت زیادہ شور وغل کی آواز کان میں آئی۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ شہر میں بڑا فتنہ و فساد ہو رہا ہے اِسی درمیان میں چند لوگ نانا راؤ کے ہمارے مکان میں آئے اور ان چار عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ جنہوں نے لوگوں سے خط و کتابت کی تھی اور باہر نکلتے ہی چاروں کو قتل کر ڈالا۔ اِس کے بعد پھر بہت سے شہر والے ہماری مجلس میں گھس آئے اور حملہ پر حملہ کرنا شروع کردیا۔ آہ اُس وقت ہم لوگوں کی بے کسی و بے بسی قابل دید تھی۔ چاروں طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ مگر کوئی اپنا ہمدرد نظر نہ آتا تھا۔ دشمن تھے کہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور مارلو مارلو کی صدا بلند کر رہے

تھے تلواریں برابر چل رہی تھیں اور خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ چند بیکس ہستیاں یکے بعد دیگرے ان ستم پیشیوں کی تیغ ظلم کا شکار ہو رہی تھیں۔ ایک پر دس دس آدمی ٹوٹے ہوئے تھے۔ میں اِس گڑبڑ میں اپنے بچوں سے جُدا ہو گئی۔ آہ اِس پریشانی کے عالم میں بھاگتی ہوئی جو ایک طرف گذری تو دیکھا کہ میرے دونوں نورِ نظر لختِ جگر گردنیں کٹائے خون میں نہائے خاک پر پڑے ہیں یہ دیکھنا تھا کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اِس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہُوا اور میں کتنی دیر غش میں پڑی رہی۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ چند ہم وطن میرے گرد جمع ہیں اور مجھے ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے ہیں ۔

یہ تھی وہ میری سرگذشت جس کو یاد کر کے عمر بھر خون کے آنسو آنکھوں سے بہاوں گی۔ آہ شوہر چھوٹا۔ داماد چھوٹا۔ اولاد چھوٹی اور میں بدبخت کنبہ موئی ابھی تک باوجود اِن مصائب برداشت کرنے کے زندہ ہوں۔ کاش مجھے پہلے ہی موت آ گئی ہوتی تا کہ اِن جانکاہ مناظر اور روح فرسا حوادث کو نہ دیکھتی۔ آہ آہ مقدر کا لکھا کسی سے نہیں مٹتا۔ خیر جب جنرل ہاولوک کا قبضہ شہر پر ہو گیا تو چند روز بعد مجھے کانپور سے الہ آباد اور وہاں سے بنارس اور کلکتہ بھیجا۔ کلکتہ سے کشتی میں سوار ہو کر کولمبو اور وہاں سے انگلینڈ پہنچی ۔

یہ قصّہ میں نے اِس غرض سے لکھا ہے کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ خاص کر اُن لوگوں کو جو عیش و آرام کے بندے اور لذّاتِ دُنیا کے

دلدادہ ہیں اور زمانہ کے زبردست حوادث سے بے خبر ہو کر غفلت میں ایام گذاری کرتے ہیں۔ اُن کو جاننا چاہیئے کہ دم بھر میں دنیا کا رنگ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ طرفۃ العین میں نازوں کے پلے خاک پر لوٹتے ہیں تخت پر بیٹھنے والے ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ عزت والے ذلیل دولت والے بے نوا بن جاتے ہیں۔ عقلمند وہی ہے جو ہر حالت میں اپنے معبود کا شکر یہ ادا کرے اور کبھی اس کو اپنے دل سے نہ بھلائے۔

درد دل سُن چکے سب آپ زبانی میری
یاد رکھنا یہ فسانہ یہ کہانی میری

(مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور)